سلسلۂ مطبوعات انجمنِ ترقیِ اُردو (ہند) نمبر ۱۷۸

ہمارے بینک

از

محمد احمد سبزواری ایم۔اے

شایع کردہ

انجمنِ ترقیِ اُردو (ہند)، دہلی

طبع اوّل — سنہ ۱۹۴۲ء — قیمت مجلد عہ ۱۲/ بلا مجلد عہ ۱۲/

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۷۸

ہمارے بینک

از

محمد احمد سبزواری ایم۔ اے ریسرچ اسکالر
اسسٹنٹ سینسس آفیسر، ریاست بھوپال

شایع کردہ
انجمن ترقیٔ اُردو (ہند)، دہلی
۱۹۴۲ء

طبع اوّل

قیمت مجلد ۱۲/۶ بلا جلد ۲/۴

مضمونوں کی فہرست

دو باتیں

معاشیات اور معاشی مسئلوں نے اس زمانے میں جو اہمیت اختیار کی ہی وہ کبھی اس سے پہلے ان کو حاصل نہ تھی، آج ساری سیاست معاشیات کے بل بوتے پر چل رہی ہی اور اصل حقیقت بھی یہ ہی کہ معاشی معاملوں کو اپنے مطلب کے مطابق سدھارنے اور معاشی واقعوں کو اپنے موافق ڈھالنے کا نام ہی اعلیٰ سیاست اور تدبّر ہی۔ روزمرہ کے واقعے اور مشاہدے اس کی پوری پوری تصدیق کر رہے ہیں، ایسی صورت میں انجمنِ ترقیِ اُردو کی یہ کوشش بڑی قابلِ تعریف ہی کہ ان اہم اور بنیادی چیزوں کو ہندستان کی عام زبان میں عوام تک پہنچایا جائے تاکہ وہ ان باتوں سے واقف ہوکر صحیح رائے قایم کرسکیں اور حالات سے ٹھیک طور پر باخبر ہوسکیں۔

معاشیات میں جو چند چیزیں بڑی پیچیدہ اور دقت طلب ہیں ان ہی میں بنک شامل ہیں پھر بنک اور زرگو بظاہر دو الگ الگ چیزیں ہیں لیکن عملی حیثیت سے ان کا چولی دامن کا ساتھ ہی اور ان کے مسئلے بعض وقت اچھے اچھوں کو بھول بھلیاں میں ڈال دیتے ہیں۔ کوشش کی گئی ہی کہ بنکوں کی تفصیل، ان کی اہمیت اور ان کے کاموں کی تشریح

زر کی اُلجھنوں سے بچاکر سیدھے سادے طریقے پر پیش کر دی جائے، زبان
آسان اور سادہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، بہت سی اصطلاحوں کو
بھی سہل کر دیا ہے مگر پھر بھی بعض مشکل اصطلاحیں اپنی جگہ پر قایم ہیں اور
بعض قلم کی روانی میں برقرار رہی ہیں۔ عوام تک علمی چیزیں پہنچانے کا
یہ طریقہ آہستہ آہستہ ہی معیاری صورت اختیار کر سکتا ہے۔ آخر میں اصطلاحوں
کی ایک فہرست اردو حرفوں کے لحاظ سے دی ہے تاکہ اُردو میں جو لفظ
آئے فوراً اس کی انگریزی اصطلاح معلوم ہو سکے۔

کام زیادہ مشکل نہ تھا مگر جس ماحول اور جن واقعات میں کیا گیا
اُنھوں نے اس کو دشوار ضرور بنا دیا۔ اب یہ بات کہ یہ کوشش کہاں
تک کام یاب ہوئی اس کا فیصلہ پڑھنے اور دیکھنے والوں پر منحصر ہے۔

محمد احمد سبزواری
بھوپال

۱۶ر جنوری ۴۲ء

باب (۱)

بینک کے معنی، ان کی ابتدا و ترقی اور دُنیا کے چند بڑے بینک

بینک کی کوئی جامع تعریف نہیں کی جاسکتی، اور بالخصوص اس زمانے میں جبکہ ان کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہو اور ایسی صورت میں جبکہ ان کے فرائض اور ذمہ داریاں گوناگوں ہوگئی ہوں، بہرحال مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہی کہ "بینک ایک ایسا ادارہ ہی جہاں زر اور اعتبار کا لین دین ہوتا ہی" اب زر اور اعتبار کا کیا مفہوم ہی اور ان کا لین دین کس طرح ہوتا ہی؛ اس کی تشریح آگے چل کر خود بخود ہوجائے گی۔

بینکوں کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ انسان میں اپنی آیندہ ضرورتوں کے خیال سے اپنی موجودہ آمدنی کا کچھ حصہ بچانے کا خیال ہمیشہ سے رہا ہی ہر زمانے اور ہر ملک میں ایسے دُور اندیش اور سمجھ دار لوگ پائے جاتے تھے جو اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اڑے وقت کے لیے بچاکر رکھا کرتے تھے مگر اُس زمانے میں ان اندوختوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسے طریقے نہ تھے جیسے کہ آج کل نظر آتے ہیں۔ عام طور پر یہی ہوتا تھا کہ رقمیں دفینوں کی شکل میں زمین کے اندر دفن کردی جاتی تھیں یا صندوقوں اور تجوریوں میں رکھی جاتی تھیں، مگر یہ دونوں طریقے کچھ زیادہ مفید اور محفوظ نہ تھے چونکہ مستقل امن داماں نہ تھا اور ہر وقت لڑائی جھگڑے

ہوا کرتے تھے اس لیے مال خطرے میں رہتا تھا۔ دفینوں کا راز صرف
دفن کرنے والوں کو معلوم ہوتا تھا اور اس میں اس قدر زیادہ احتیاط
برتی جاتی تھی کہ اپنی اولاد تک کو مرنے سے ذرا پہلے تک اس کی
اطلاع نہیں دی جاتی تھی۔ عموماً بسترِ مرگ پر وصیتوں کے ساتھ اس راز
کا بھی انکشاف ہوا کرتا تھا اور بعض وقت تو یہ راز ہمیشہ کے لیے راز
ہی رہ جاتا تھا جو لوگ صندوق، تجوری، مٹی یا تانبے کے برتن اپنی
رقموں کو محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کرتے تھے وہ بھی ہمیشہ خطروں
سے گھرے رہتے تھے، دن کو اکیلا مکان چھوڑتے ہوئے وحشت ہوتی
تھی۔ رات کو زرا سے کھٹکے سے آنکھ کھل جاتی تھی۔ پہرے دار، پاسبان
اور چوکیدار رکھنے پڑتے تھے اور ان کے باوجود جب کبھی ڈاکہ پڑتا تو
پوشیدہ چیزوں کی جگہ معلوم کرنے کے لیے گھر والوں پر جو ظلم و ستم توڑے
جاتے تھے ان کا اندازہ اب بھی ان خبروں سے ہوسکتا ہے جو ڈکیتی
اور چوری کے سلسلے میں کبھی کبھی اخباروں میں نظر آجاتی ہیں۔

ان مشکلوں اور دشواریوں کی وجہ سے حضر میں عموماً اور سفر میں
خصوصاً اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ اپنے اندوختے ایسے
لوگوں کے پاس محفوظ کردیے جائیں جو ان کی حفاظت بھی کرسکیں
اور بددیانتی کے بھی مرتکب نہ ہوں چنانچہ قدیم زمانے میں مختلف
ملکوں میں طرح طرح کے طریقے نظر آتے ہیں مثلاً قدیم دنیس میں صراف
لندن میں سُنار ہندستان میں ساہوکار اور اسلامی سلطنتوں میں
قاضی "امین" کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، اوّل الذکر تینوں
آدمی اپنے کاروبار کے لحاظ سے یہ کام کرتے تھے اور آخرالذکر اپنی

مذہبی حیثیت کی وجہ سے مقدس اور قابلِ اعتماد سمجھے جاتے تھے مگر ہر جگہ ایسے واقعات پیش آتے رہتے تھے کہ اُنھوں نے امانت میں خیانت کی چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعے ہماری قصّے کہانیوں کی کتابوں میں ملتے ہیں، بظاہر ان کی حیثیت افسانوں سے زیادہ نہیں مگر یہ اس زمانے کی معاشرت کے اس رُخ پر بڑی اچھی روشنی ڈالتے ہیں۔

ان حالات میں اگر کوئی شخص ایک مضبوط اور مستحکم گودام بنوائے اور لوگوں کے اندوختے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری لے، اور اگر لوگوں کو اس پر اعتماد بھی ہو تو لوگ بڑی خوشی سے اپنے اپنے اندوختے اس کے حوالے کرنے کو تیار ہوجائیں گے اور امین سے اس مضمون کی ایک رسید حاصل کرلیں گے کہ "حاملِ ہذا کو مندرجہ رقم عند الطلب ادا کردی جائے گی" اس طرح عوام نہ صرف اندوختوں کی حفاظت کی فکر سے بچ جائیں گے بلکہ وہ آپس کے لین دین میں زر کے بجائے ان رسیدوں کو بھی استعمال کرسکیں گے اور جب یہ رسیدیں مستند اور قابلِ اعتبار آدمیوں کی ہوتی ہیں تو یہ خود ہی دست بدست گھومنے لگتی ہیں اور انھی رسیدوں نے بعد میں نوٹوں کی شکل اختیار کرلی - نوٹ بھی دراصل ایک قسم کی رسید ہی جس پر یہ وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہی کہ "حاملِ ہذا کو مندرجہ رقم ادا کردی جائے گی" اگرچہ بینک نوٹ سب سے پہلے ۱۶۵۸ء میں بینک آف سوئڈن نے جاری کیے مگر چین میں ۸۰۰ء میں بھی نوٹوں کا رواج تھا اور یہ اسی قسم کی رسیدیں تھیں - پُرانے زمانے میں اکثر جگہ ساہوکاروں، صرّافوں اور سُناروں کی رسیدیں دست بدست گھوما کرتی تھیں۔

اسی طرح ابتدائی عہد کے نوٹ بڑی آزادی سے ادھر اُدھر گھومتے تھے
مگر جب ان پر پابندیاں لگا دی گئیں اور صرف خاص خاص بینکوں
کو نوٹ جاری کرنے کی اجازت ملنے لگی اور وہ بھی ایک معینہ مقدار سے
زیادہ نوٹ جاری نہ کرسکتے تھے تو کاروبار کی وسعت نے خود بخود
ایسی چیزیں پیدا کر دیں کہ بغیر زر کے کاروبار ہونے لگے اس سے ہمارا
مقصد چک کا رواج ہے جس کی تفصیل آیندہ بیان کی جائے گی۔
اب ایسے شخص کی مثال لیجیے جو لوگوں کی امانتیں محفوظ رکھتا ہے
اس کو کچھ دنوں کے تجربے کے بعد معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کے تمام
امانت دار ایک ہی وقت میں اپنی رقمیں واپس طلب نہیں کرتے
اگر ایک طرف رقم کا کچھ حصّہ اس کے پاس سے باہر جاتا رہتا ہے تو
دوسری طرف کچھ مزید رقم اس کی تجوری میں داخل ہوتی رہتی ہے اور
ان دونوں کا اوسط عام حالات میں قریب قریب برابر ہی رہتا ہے۔ اس
کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے پاس ایسی رقم کثیر مقدار میں ہوتی ہے جو تجوری
میں بے کار پڑی رہتی ہے اب اگر کسی دن بیٹھے بیٹھے اس کو یہ خیال آیا
کہ اس زاید رقم کو بے کار ڈالنے سے یہ بہتر ہے کہ اس کو کسی کاروبار
میں لگا دیا جائے تو کیا رہے؟ مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ کاروبار
ایسا ہونا چاہیے کہ اس میں رقم پھنس نہ جائے بلکہ اگر کسی وقت امانت دار
اپنی رقمیں واپس طلب کریں تو فوراً کاروبار سے رقم نکالی جاسکے اور
ان کے حوالے کی جاسکے چنانچہ وہ رقم ایسے ضرورت مندوں کو قرض
دینا شروع کرتا ہے جو تھوڑے عرصے میں یہ رقم واپس کر دیں، ساتھ
ہی کوئی معتبر ضمانت پیش کرسکیں اور اس رقم کو اپنی ضرورت میں

استعمال کرنے کا کچھ معاوضہ بھی دے سکیں۔ ابتدا میں وہ ڈرتے ڈرتے اس کام میں ہاتھ ڈالتا ہے مگر بہت جلد تجربہ اس کو بتا دیتا ہے کہ یہ کاروبار بہت نفع بخش ہے اور اس میں کچھ زیادہ خطرہ بھی نہیں ہے اب اُس کو اس کام کی اتنی چاٹ لگ جاتی ہے کہ وہ اس کی بجائے کہ امانت داروں سے ان کی رقموں کی حفاظت کا کوئی معاوضہ طلب کرے اُلٹا ان کو کچھ معاوضہ دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ یہ معاوضہ بڑا عجیب اثر کرتا ہے۔ ایک طرف تو پہلے سے پس انداز کرنے والوں کو ترغیب ہوتی ہے کہ زائد پس انداز کریں، دوسری طرف ان لوگوں کو تحریص ہوتی ہے جو اپنی رقمیں بطور دفینوں کے گھروں میں محفوظ رکھا کرتے تھے کہ وہ یہ مدفون رقمیں اس کے گودام میں داخل کر دیں۔ اعتبار اور اعتماد جتنا بڑھتا جاتا ہے اسی قدر زیادہ رقمیں اس کے پاس محفوظ کرائی جانے لگتی ہیں اور رقم جتنی بڑھتی جاتی ہے اس قدر کاروبار میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ یعنی وہ شخص جس نے پہلے معمولی طریقے پر لین دین شروع کیا تھا اب اچھا خاصا "بینک دار" بن جاتا ہے۔ وہ اس معاوضے کی مقدار معین کر دیتا ہے جو وہ امانت داروں کو ان کی رقموں کے معاوضے میں دینے کے لیے تیار ہوتا ہے اور اسی کو شرح سود کہا جاتا ہے، مگر کاروباری حالات پونجی کی کمی زیادتی، امانتوں کی تخفیف یا اضافہ اور دوسرے حالات کی بنا پر اس میں تغیر ہوتے رہتے ہیں مگر حالات میں تبدیلی ہوتے ہی یہ شرح پھر اسی نقطے پر آجاتی ہے جہاں سے تبدیلی شروع ہوئی تھی۔ آج کل اس معاوضے کا حساب ایک سو روپے پر ایک سال کے لیے لگایا جاتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت شرح سود

تین فی صدی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک سو روپے کا ایک سال میں تین روپے معاوضہ ملے گا۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے پہلے زمانے میں مہاجن، ساہوکار، صراف اور سنار وغیرہ وہی کیا کرتے تھے جو آج کل بینک کرتے ہیں اور ہر ملک میں ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہوتی تھی مگر ظاہر ہے کہ ایک آدمی خواہ وہ کتنا ہی معتبر اور بھروسے کے قابل کیوں نہ ہو عوام کا اس قدر اعتماد حاصل نہیں کر سکتا جو ایسے ہی چند آدمیوں کی ایک ٹولی حاصل کر سکتی ہے کیونکہ ایک آدمی کے مقابلے میں چند آدمیوں کی جماعت میں بددیانتی اور بدنیتی کے موقعے کم ہو جاتے ہیں اور عوام کا اعتماد بڑھ جاتا ہے اور اس کاروبار کی یہ خصوصیت ہے کہ اعتماد جتنا بڑھتا ہے اسی قدر کاروبار میں وسعت ہوتی جاتی ہے، چنانچہ بجائے اس کے کہ صرف ایک آدمی تنہا اس کام کو انجام دے، چند معتبر اور کام کرنے والے آدمیوں نے آپس میں مل جل کر اس کام کو شروع کیا، یہ گویا مشترکہ کاروبار کی پہلی صورت تھی۔

اب فرض کیجیے کہ کچھ لوگ جن کو اس کام کا کافی تجربہ ہے یہ کاروبار کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے پاس سرمایہ نہیں، دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے پاس سرمایہ ہے مگر وقت نہیں یا وہ کاروبار کی عملی دشواریوں سے واقف نہیں یا ان کو وہ آسانیاں حاصل نہیں جو ایک کاروبار کو چلانے کے لیے ضروری ہوتی ہیں، لہٰذا دونوں طبقے اپنی اپنی جگہ بربے کار ہیں، لیکن اگر کوئی ایسا طریقہ نکل آئے جس سے یہ دونوں مل جائیں تو سرمایے کا سوال بھی حل ہو جاتا ہے اور کاروبار کی دشواریاں

بھی رفع ہو سکتی ہیں اس مشکل کو دور کرنے کے لیے یہ طریقہ نکالا گیا کہ چند آدمی مل کر ایک جماعت بنائیں اور ایک بینک کا خاکہ تیار کریں جس میں سرمائے کی تعداد، کاروبار کی تشریح، آمدنی کی تفصیل اور نفعے کی صورتیں بتائی جائیں اور اس کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے اس تجویز میں ایسی آسانیاں رکھی جاتی ہیں کہ لوگ چھوٹی چھوٹی رقمیں بھی کاروبار میں لگا سکتے ہیں یعنی اصل سرمائے کو جو بڑی تعداد میں ہوتا ہے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ان ٹکڑوں کو "حصے" کہا جاتا ہے، ایک حصہ ہزار، پانسو، سو، پچاس، دس یا پانچ رُپے کا ہوتا ہے، اس طرح سرمائے کی بڑی مقدار آسانی سے فراہم ہو جاتی ہے جو لوگ یہ سرمایہ قرض دیتے ہیں یعنی حصے خریدتے ہیں وہ حصے دار کہلاتے ہیں۔ یہ حصے دار خود اپنے آدمیوں میں سے چند تجربہ کار اور واقف کار لوگوں کی ایک جماعت منتخب کر لیتے ہیں، جس کو "ناظموں کی مجلس" کہا جاتا ہے، کاروبار کا سارا انتظام اور پالیسی اُسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، حکومت کے ہاں اس قسم کے کاروبار کی رجسٹری کرانا پڑتی ہے اور حکومت کی جانب سے سرکاری تنقیح کرنے والے اس کے حسابات کی جانچ پڑتال کرتے ہیں اس کے سالانہ یا ششماہی جلسے ہوتے ہیں جن میں کاروبار کی پوری پوری تفصیل پیش ہوتی ہے، آمدنی اور خرچ کا حساب لگایا جاتا ہے اور جو رقم بچتی ہے اس کا کچھ حصہ مصیبت یا آفت کے وقت کے لیے محفوظ رکھ کر باقی حصے داروں میں تقسیم کر دی جاتی ہے اور یہ منافع کہلاتا ہے۔ اصطلاح میں ایسے بینکوں کو مشترک سرمائے کے بینک کہا جاتا ہے، اور آج کل ہر جگہ ان ہی بینکوں

کا زیادہ رواج ہے۔

قدیم زمانے میں جو لوگ بینکوں کی خدمت انجام دیتے تھے ان پر کوئی قانونی پابندی عائد نہ تھی اس کی وجہ سے وہ من مانے طور پر بعض وقت ایسی بے عنوانیاں کر بیٹھتے تھے جن سے عوام کو سخت نقصان پہنچتا تھا چنانچہ ان خرابیوں کو روکنے کے لیے حکومتوں کی جانب سے ان پر پابندیاں لگانا شروع ہوئیں مثلاً سنہ ۱۲۷۰ء سے سنہ ۱۳۸۰ء کے درمیان شہر وینس کے صرافوں کو قانون کے تحت لایا گیا، اور اسی زمانے میں یہ لوگ بینکروں میں تبدیل ہونا شروع ہوئے، یہی صورت کچھ عرصے بعد ایمسٹرڈم میں پیش آئی، ان ہی حالات کے باعث لندن کے سنار بینکار بنے۔ ہندوستان کے ساہوکار بڑے عرصے تک ان پابندیوں سے آزاد رہے چنانچہ ریزرو بینک کے قایم ہونے تک ان پر کوئی بندش نہ تھی، اب البتہ ان بڑے بڑے ساہوکاروں پر جو بینکاری کا کام کرتے ہیں بعض پابندیاں لگا دی گئی ہیں، مگر چھوٹے ساہوکار اب بھی ان سے آزاد ہیں، البتہ یہ لوگ بعض قوانین کے ضابطوں میں آجاتے ہیں۔ مثلاً ایک مقررہ شرح سے زیادہ سود نہ لینا، کاشتکاروں کی زمین پر قبضہ نہ کرنا، ان کے زرعی آلوں اور مویشیوں کو قرق نہ کرا سکنا، صحیح اور صاف زبان میں حساب رکھنا وغیرہ۔

یوں تو بہت قدیم زمانے میں ہر ملک میں بینکاری کا کاروبار ہوتا رہا ہے، مگر موجودہ اصولوں پر پہلے پہل بارھویں صدی عیسوی میں اطالوی ریاستوں میں چند بینک قایم ہوئے جنیوا کا مشہور

بینک " بینک آف سینٹ جارج " Bank of St. George
۱۴۰۷ء میں قایم ہوا، شہر وینس کا سب سے پہلا اور مشہور بینک
" دی بینکو ڈی ریل ٹو " The Banco di Rall to
۱۵۸۷ء کے درمیان قایم ہوا۔ ۱۶۱۹ء میں وینس میں ایک دوسرا
بینک قایم ہوا جو کئی صدی تک قایم رہا اور یورپ میں " بینک آف
وینس " کے نام سے مشہور تھا۔ اسی زمانے میں مغربی یورپ کے اکثر شہروں
مثلاً ایمسٹرڈم، راٹرڈم اور ہمبرگ میں اکثر بینک قایم ہوے۔ ۱۶۵۶ء
میں " بینک آف سویڈن " قائم ہوا جس کا بانی ایک شخص مسمی پامسٹرک
Palms truck تھا، اسی بینک نے سب سے پہلے بینک
نوٹ جاری کیے، بعد میں یہ بینک سویڈن کا سرکاری بینک بن گیا۔
اور اب تک اس کی یہی حیثیت برقرار ہے۔ انگلستان میں بینکاری کی
ابتدا سترھویں صدی سے ہوئی۔ ۱۶۴۰ء تک لندن کے تاجر اپنے
ذخیرے " ٹاور آف لندن " میں حکومت کی حفاظت میں رکھا کرتے تھے
لیکن اس سال چارلس اوّل نے ایک لاکھ تیس ہزار پونڈ کی رقم پر غاصبانہ
قبضہ کرلیا۔ اس وجہ سے حکومت کا اعتبار اُٹھ گیا اور لوگ اپنے
سرمائے کو سُناروں کے پاس رکھوانے لگے۔ یہ سُنار ہیرے جواہرات
کی تجارت کے ساتھ ساتھ رُپے کا لین دین بھی کیا کرتے تھے، یہ محفوظ سرمایے پر سودا
کرتے تھے، اپنے نوٹ جاری کرتے تھے جو دراصل امانتوں کی رسیدیں ہوتی تھیں مگر
اعتبار کی وجہ سے دست بدست گھومتی تھیں۔ البتہ ان کے متعلق یہ شکایت عام تھی
کہ یہ اپنے دیے ہوئے قرضوں کا سود بہت زیادہ وصول کرتے ہیں اور امانت داروں
کو اس کے مقابلے میں بہت کم معاوضہ دیتے ہیں۔

۱۶۹۴ء میں ولیم سوم کی حکومت کو رقم کی سخت ضرورت پیش آئی لیکن قدیم تلخ تجربوں کی بنا پر کوئی اس کو قرض دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نازک موقعہ پر اسکاٹ لینڈ کے ایک باشندے ولیم پیٹرسن William Patterson نامی شخص نے ایک بینک کی اسکیم بنائی اور حکومت کو بارہ لاکھ پونڈ اس شرط پر دینے کی رضامندی ظاہر کی کہ اس کو شاہی فرمان کے ذریعے ایک بینک قایم کرنے کی اجازت دی جائے، اور قرضے کی حد تک بینک کو نوٹ جاری کرنے کا اختیار دیا جائے، چونکہ حکومت کو رقم کی سخت ضرورت تھی اس لیے ان شرطوں کو منظور کیا گیا اور ۱۶۹۴ء میں انگلستان بینک قایم ہوا ۱۸۴۴ء میں اس کے پرانے قانون میں کچھ ترمیم کی گئی اور آج کل یہ بینک اسی قانون کے تحت کام کرتا ہے۔

انگلستان بینک دنیا کا سب سے مشہور اور مستند بینک ہے۔ اگرچہ دستوری طور پر یہ ایک خانگی بینک ہے مگر حکومت کے سارے کام یہی انجام دیتا ہے اور اس وجہ سے یہ سرکاری بینک کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کو سارے ملک میں نوٹ جاری کرنے کا اجارہ حاصل ہے، اس نے بڑے بڑے نازک موقعوں پر مثلاً نپولیانی جنگوں، گزشتہ جنگ عظیم اور موجودہ جنگ میں حکومت کی بڑی مدد کی ہے، اس کے ناظم اعلیٰ کو وزیر اعظم کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ حقیقی اہمیت حاصل ہے کیونکہ سارا مالیہ اسی کے ہاتھ میں ہے، چونکہ اس بینک نے بڑی بڑی مصیبتوں اور تباہیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا ہے اس لیے ساری دنیا میں اس کی ساکھ قائم ہے دنیا کے اکثر رئیسوں، بالخصوص یورپ کے تمام ملکوں کے بادشاہوں

جمہوری حکومتوں کے صدروں ، ہندستانی ریاستوں کے فرمانرواؤں اور دنیا کے بڑے بڑے مالدار اور کاروباری آدمیوں کے حسابات یہاں رہتے ہیں - گو بینک اپنی امانتوں پر کوئی سود نہیں دیتا مگر اس کے باوجود بھی یہاں کافی امانتیں محفوظ رہتی ہیں کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی ان کا روپیہ یہاں محفوظ ہے لیکن اس موجودہ لڑائی کی وجہ سے آج کل یہ بینک ملک سے سونا باہر نہیں جانے دے رہا ہے اور خود اس نے معیارِ طلا کو بھی ترک کر دیا ہے -

دنیا کے دوسرے بڑے بینکوں میں " بینک آف فرانس " جرمنی کا " رائیخ بینک " امریکہ کی متحدہ ریاستوں کا فیڈرل بینک زیادہ مشہور ہیں ، انگلستان میں انگلستان بینک کے علاوہ دوسرے پانچ بڑے بینک بھی ہیں جن کی شاخیں جزائرِ برطانیہ کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی پھیلی ہوئی ہیں - جرمنی میں بھی بڑے بینکوں کی تعداد کافی ہے - ہندوستان کا سب سے اہم بینک ریزرو بینک آف انڈیا ہے اور اس کے بعد امپیریل بینک آف انڈیا کا نمبر ہے

پُرانے زمانے میں حکومتیں اپنی رقموں کو خزانوں میں محفوظ رکھا کرتی تھیں مگر اس زمانے میں حکومتوں کی ذمہ داریاں اور فرائض اس قدر پیچیدہ نہ تھے جتنے کہ آج کل ہو گئے ہیں - پھر خزانوں کی حفاظت اور انتظام پر بڑے مصارف ہوتے تھے ، چنانچہ ان دشواریوں سے بچنے کے لیے اور آسانی کی خاطر اب مہذب حکومتوں نے اپنے خزانے بینکوں میں تبدیل کر دیے ہیں ، یعنی بینک ان کی ساری رقمیں وصول

کرتے ہیں، وہی ملازموں کی تنخواہیں اور دوسری سرکاری ادائیاں کرتے ہیں، وہی ان کے قرضے کا انتظام کرتے ہیں، اور یہی حکومت کی جانب سے نوٹ جاری کرتے ہیں، مگر حکومت یہ کام صرف کسی ایک بینک سے لیتی ہے اور گو وہ بینک خانگی افراد کا ہو مگر اس کو سرکاری بینک کہا جاتا ہے، اور سرکاری خدمتیں انجام دینے کی وجہ سے اس پر چند پابندیاں لگا دی جاتی ہیں، مگر چونکہ ایسے بینکوں کو سرکاری بینک ہونے کی وجہ سے غیر معمولی سہولتیں حاصل ہوجاتی ہیں اور بعض چیزوں کے اجارے مل جاتے ہیں اس لیے وہ ان پابندیوں کو خوشی خوشی برداشت کرلیتے ہیں، آج کل تقریباً ہر حکومت کا ایک اپنا اسی طرح کا بینک ہوتا ہے اور اس حکومت کے سارے کام وہی انجام دیتا ہے۔

دوسرا باب

بینکوں کے کام

بینک درصل ایک قسم کی کڑی ہیں جو دو مختلف طبقوں کو ملاتے ہیں، جس طرح ایک تاجر، کارخانے دار اور گاہکوں کے درمیان واسطے کا کام دیتا ہے۔ اسی طرح بینک ان لوگوں سے سرمایہ حاصل کرتا ہے جو اس کو خود کاروبار میں نہیں لگا سکتے، اور ان کے حوالے کرتا ہے جن کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تاجر کا کام کیا ہے؟ یہی کہ ایک طرف مختلف کارخانوں پر نگاہ رکھے کہ وہ کون کون سا مال تیار کر رہے ہیں، دوسری طرف اس کے پیشِ نظر ایسے لوگ ہوں جو اس تیار شدہ مال کے خریدار بننے کے لیے تیار ہوں، گویا تاجر ہماری ایک بڑی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو مال تیار کرنے والوں کو خریداروں کی تلاش میں اور خریداروں کو مال بنانے والوں کی تلاش میں سرگردان و پریشان پھرنا پڑے۔ اس تلاش میں نہ معلوم دونوں کا کتنا وقت ضائع ہو۔ بڑی کوشش کے بعد اگر کوئی کارخانہ مل جائے تب بھی اس کا امکان ہے کہ وہاں حسبِ منشا مال نہ ملے مگر تاجر کی صورت ایسی نہیں ہے، اس کے پاس مختلف کارخانوں کا طرح طرح کا مال ہوتا ہے، اب گاہک کو جس قسم کی چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کو پسند کر کے خرید لیتا ہے گویا تاجر ایک ایسا نقطہ ہے جہاں

کارخانے دار اور گاہک مل جاتے ہیں، بالکل یہی کیفیت بینکوں کی ہے، ہر مقام پر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو آیندہ احتیاجات کے خیال سے اپنی موجودہ آمدنی کا کچھ حصہ پس انداز کرتے ہیں اور چونکہ وہ خود کوئی کاروبار نہیں کر سکتے اس لیے لازمی ہے کہ وہ آیندہ احتیاجات کے پیش آنے تک اس رقم کو کہیں محفوظ کر دینے کا انتظام کریں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہر مقام پر ایسے بھی کافی لوگ ہوتے ہیں جنھیں اپنی موجودہ احتیاجات چلانے یا طرح طرح کے کاروبار کرنے کے لیے کثیر رقموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اصل میں بینک کا ضروری اور اہم کام یہی ہے کہ ان دونوں طبقوں کے درمیان ایک اتصالی مقام بن جائے یعنی جن کے پاس موجودہ ضرورت سے زاید رقم ہو ان سے رقم حاصل کرنا، اور جن کو فی الوقت اس کی ضرورت ہے، ان کی ضرورت پوری کرنا اگر بینک موجود نہ ہوں تو جس طرح تاجر کے نہ ہونے سے گاہکوں اور مال تیار کرنے والوں کو دقتیں پیش آتیں اس سے بہت زیادہ مشکلیں کاروباری اور ضرورت مند لوگوں اور پس انداز کرنے والوں کو ہوا کرتیں، پس انداز کرنے والوں کو نہ صرف اپنی رقم کا کچھ معاوضہ نہ ملتا، بلکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اور خرچ بھی خود ان ہی کو برداشت کرنا پڑتا۔ دوسری طرف کاروباری اور ضرورت مند اشخاص کو ایسے لوگوں کی تلاش میں سرگرداں رہنا پڑتا جو ان کو رقم قرض دے سکیں، ایسے دو حاجت مندوں کے مل جانے کے بعد بھی اس کا امکان تھا کہ ضمانت معاوضے اور دیگر امور پر باہم کوئی تصفیہ نہ ہو سکتا، مگر بینک کے وجود سے ان تمام مشکلوں کا خاتمہ ہو گیا، پس انداز کرنے والے جانتے ہیں کہ

ایک ایسا ادارہ موجود ہو جو ان کی ہر چھوٹی سے چھوٹی رقم لینے کے لیے تیار ہو، اور اس کو محفوظ رکھنے اور اس کا معاوضہ دینے کی ذمہ داری لیتا ہو، کاروبار کرنے والے واقف ہیں کہ جب ان کو رقم کی ضرورت ہوگی تو ایک ادارہ ان سے کچھ معاوضہ لے کر ان کو حسب ضرورت رقم مستعار دے سکتا ہو۔

یہاں ایک نفسیاتی نکتہ بیان کردینا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا جب قرض لینے اور دینے والے دونوں افراد ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے سامنے ہوتے ہیں تو قرض دینے والا ایک قسم کی برتری اور فوقیت محسوس کرنے لگتا ہو اور قرض لینے والے کو خود ہی کمتری کا احساس ہونے لگتا ہو وہ محسوس کرتا ہو کہ قرض دینے والا اس کے ساتھ کوئی احسان کر رہا ہو اور اس کا فرض ہو کہ وہ اُس کا شکر گزار رہو کیونکہ وہ ایک نازک موقعے یا اڑے وقت میں اس کی مدد کر رہا ہو، حالانکہ جب قرض لی ہوئی رقم کا ایک معاوضہ دیا جائے تو یہ ایک قسم کا کاروبار ہوگیا، اور کاروبار کے لیے فریقین کا فایدہ ضروری ہو، نہ تو یہاں ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہو اور نہ ایک دوسرے پر احسان کرتا ہو، اگر قرض دینے والا قرض لینے والے پر یہ احسان کر رہا ہو کہ وہ اس کو کچھ رقم قرض دے رہا ہو تو قرض لینے والا قرض دینے والے پر یہ احسان کر رہا ہو کہ وہ اس سے رقم لے رہا ہو اور اس کا کچھ معاوضہ دے رہا ہو۔ اگر قرض لینے والا یہ رقم نہ لے تو قرض دینے والے کے پاس یہ رقم بے کار پڑی رہے، بہر حال کاروبار میں احسان، شکر گزاری اور نیازمندی کے جذبات پیدا ہونے کی

گنجایش نہیں، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ نفسیاتی طور پر دونوں طبقے ان احساسات سے متاثر ہوتے ہیں، اگر بینک نہ ہوتے تو شاید بعض خوددار اور غیور طبیعتیں اتنی کثیر رقمیں قرض نہ لے سکتیں جتنی کہ اب وہ بینکوں سے لے لیتی ہیں۔ اور یہ چیز کاروبار کی وسعت اور ترقی کے منافی ہے، مگر بینکوں میں یہ بات نہیں، بینک کسی فرد کا نام نہیں ہے اور نہ وہاں بینک کے حصّے دار یعنی قرض دینے والے، قرض لینے والے کے سامنے ہوتے ہیں اس لیے بینک سے کاروبار کرنے میں کمتری کا کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا۔

اس زمانے میں بینکوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، اور وہ مختلف قسم کے کاروبار کرتے ہیں ان کا سب سے پہلا کام اپنے گاہکوں کی لین داریوں اور دین داریوں کا حساب رکھنا ہے، یہ فرض اس طرح انجام دیا جاتا ہے کہ بینک میں ہر گاہک کے نام ایک کھاتا کھول دیا جاتا ہے، اب اس شخص کو جتنی رقمیں دوسروں سے وصول ہوتی ہیں وہ اس کے حساب میں درج کر لی جاتی ہیں، اور اس کو جتنی رقمیں دوسروں کو ادا کرنا ہوتی ہیں وہ اس کے حساب سے ادا کر دی جاتی ہیں، گویا اس طرح بغیر زر کے حساب کے ذریعے بینک کے توسط سے کاروبار ہوتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بڑے بڑے تاجروں اور کاروباری آدمیوں کے لیے یہ صورت کس قدر سہولت کا باعث ہوگی، نقد روپے کی بڑی مقدار کو برتنے، گننے رکھنے، ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے لے جانے اور حفاظت کرنے میں جو مشکلیں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں وہ اس طرح ختم ہو جاتی ہیں۔ اب اگر یہ بینک مختلف شہروں میں اپنی شاخیں کھول دے تو سارے ملک میں اسی طرح اس کے توسط سے بغیر روپے کے کاروبار ہو سکتا ہے، اور اگر

یہ بینک دوسرے ملکوں میں بھی اپنی شاخیں قایم کردے یا بیرونی بینکوں سے اپنا رشتہ جوڑلے تو دوسرے ملکوں کے درمیان بھی بغیرزر کے کاروبار ہو سکتا ہی، چنانچہ آج کل کاروبار کا یہی ایک طریقہ ہر جگہ رائج ہی۔

دراصل ہر بینک سرمائے کا لین دین کرتا ہی، بینک کا یہ کام دو حصّوں پر تقسیم ہوگیا ہی، یعنی سوسائٹی کے ایک طبقے سے سرمایہ وصول کرکے دوسرے طبقے کے حوالے کرنا، اب یہ کام وہ کس طرح انجام دیتا ہی اس کی تفصیل الگ الگ بیان کی جائے گی۔

پہلے حصول سرمایہ کے طریقے کو لے لیجیے، بینک جس سرمائے سے کام کرتا ہی اس میں کچھ حصّہ تو اپنا ذاتی ہوتا ہی، یہ وہ سرمایہ ہوتا ہی جو ہر بینک اپنے حصّے داروں سے حصّوں کی شکل میں جمع کرتا ہی مگر اس کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہی اور بڑے پیمانے پر کاروبار چلانے کے لیے یہ تعداد کافی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ وہ بقیہ مقدار عوام سے حاصل کرتا ہی، عموماً ہر سوسائٹی میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس کچھ سرمایہ ضرورت سے زاید ہوتا ہی اور وہ یہ سرمایہ مختلف ناموں سے بینک کے حوالے کردیتے ہیں، مثلاً وہ لوگ جو خود کاروبار کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے، یا ایسے آدمی جن کے کام کی نوعیت ہی ایسی ہی کہ اس میں مزید سرمایہ لگانے کی گنجایش نہیں ہی، جیسے پروفیسر ڈاکٹر، وکیل یا سرکاری ملازم وغیرہ، یا وہ لوگ جن کے پاس سرمایہ کافی تعداد میں نہیں ہوتا۔ آج کل بڑے اچھے اور نفع بخش کاروبار کے لیے کثیر سرمائے کی ضرورت ہوتی ہی، اب اس وقت تک کہ یہ رقم

ایک خاص مقدار تک نہ پہنچے بیکار پڑی رہتی ہے بلکہ اس کا بھی امکان رہتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ اپنے پاس رہنے کی وجہ سے اپنے مصرف میں نہ آ جائے چنانچہ دور اندیش لوگ اپنی پونجی بینک میں رکھوا دیتے ہیں جہاں ان کو سود ملتا رہتا ہے اور وہ خود ہر قسم کی فکروں سے بھی بچ جاتے ہیں۔ ہر معاشرے میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے پاس سرمایہ تو ہوتا ہے مگر وہ کاروبار کے خطروں سے ڈرتے ہیں، لیکن ہر کاروبار میں خطرے ہیں اور جب تک ان کا مقابلہ نہ کیا جائے نفع حاصل نہیں ہو سکتا، بلکہ کام جتنا زیادہ خطرناک ہوگا اسی قدر زیادہ منافع ملنے کا امکان ہے، مگر یہ لوگ خطروں سے بچنے کے لیے کم منافع کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنی رقمیں بینک میں رکھوا کر ایک مقررہ منافع حاصل کرتے رہتے ہیں۔

ایسے تمام لوگوں کے لیے بینک بڑی سہولت کا باعث ہوتے ہیں جہاں وہ اپنا روپیہ محفوظ کرا سکتے ہیں اور اس کا معاوضہ پا سکتے ہیں پھر بینکوں سے مقررہ وقت پر یا بعض صورتوں میں جب چاہیں روپیہ واپس لیا جا سکتا ہے، اس طرح بینک کے پاس سینکڑوں چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع ہو جاتی ہیں اور وہ کثیر سرمائے کا مالک بن جاتا ہے۔ عوام سے سرمایہ فراہم کرنے کے جو طریقے ہیں ان کے مختلف نام ہیں مثلاً سیونگ بینک اکاؤنٹ، میعادی امانت، اطلاعی امانت، اور چالو کھاتا وغیرہ سیونگ بینک اکاؤنٹ سے یہ مطلب ہے کہ بینک میں اپنے نام کا ایک کھاتا کھول دیا جاتا ہے، اس میں ہر وقت رقم جمع کی جا سکتی ہے ہفتے میں دو مرتبہ رقم نکالنے کی اجازت ہوتی ہے اس پر ایک مقررہ شرح سے سود ملتا رہتا ہے، میعادی امانت وہ رقم ہے جو ایک خاص مدت کے بعد ہی

واپس لی جاسکتی ہی، عموماً یہ مدت ایک سال، دوسال یا اس سے بھی زاید ہوتی ہی۔ مدت جتنی زیادہ ہوتی ہی اتنی ہی زیادہ شرح سے سود ملتا ہی۔ اطلاعی امانت سے مُراد ایسی رقم ہی جو خاص طور پر نوٹس دینے کے بعد واپس لی جاسکتی ہی البتہ چالو کھاتے ہیں نہ کوئی میعاد ہوتی ہی اور نہ اطلاع کی ضرورت، جب چاہا چک لکھ دیا اور رقم خود واپس لے لی یا کسی دوسرے کو دلوادی۔ چالو کھاتے پر عموماً اچھے اور مستند بینک سود ادا نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہی کہ بینک اُن ہی رقموں پر سود دیتا ہی جن سے وہ اپنے کاروبار میں زیادہ مدد لے سکتا ہی، وہ رقمیں جو بینک کو ہر وقت اپنے پاس نقد رکھنا پڑتی ہی کہ نہ معلوم کس وقت کھاتے داروں کو ان کی ضرورت ہوجائے، بینکوں کے لیے کاروباری نقطۂ نظر سے زیادہ مفید نہیں اس لیے ان پر سود بہت ہی کم یا عموماً بالکل ادا نہیں کیا جاتا، چھوٹے چھوٹے بینک ابتدا میں اپنا کاروبار بڑھانے کے لیے ان پر کچھ سود دیتے ہیں۔ مرکزی بینک امانتوں پر سود بالکل نہیں دیتے اور نہ وہاں لوگ اپنی رقمیں سود حاصل کرنے کی خاطر رکھتے ہیں بلکہ وہاں تو رقمیں خطروں سے محفوظ رکھنے کے لیے امانت رکھوائی جاتی ہیں کیونکہ ان بینکوں کو عام بینکوں کے مقابلے میں بہت کم خطرہ ہوتا ہی۔

شرح سود کے سلسلے میں ایک بات کا خیال رکھنا پڑتا ہی کہ بس انداز کی تعداد اُسی صورت میں بڑھتی ہی جب لوگوں کو ترغیب و تحریص ہوتی رہے اور یہ چیز شرح سود کی زیادتی سے حاصل ہوجاتی ہی جب بینکوں یا حکومتوں کو کثیر رقموں کی ضرورت ہوتی ہی تو شرح سود میں اضافہ کردیا جاتا ہی، اس کے برخلاف جب شرح سود کم ہوجاتی ہی تو

رقم کا کچھ حصہ کاروبار سے نکل جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ رُپیہ پس انداز کرنے والے تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ایک وہ جو بڑھاپے کے خیال سے یا اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے یا کاروبار کی توسیع اور ترقی کے لیے کچھ جمع کرنا چاہتے ہیں، ان لوگوں کو شرح سود سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، کیونکہ یہ تو ہر صورت میں پس انداز کرتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے پاس موجودہ ضرورتوں سے زاید رُپیہ ہے یا وہ اس کو اپنی موجودہ محدود ضرورتوں پر صرف کرنے کی بجائے پس انداز کرنا چاہتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں کہ اگر ان کو اپنی رقموں کا معاوضہ مروجہ شرح سے کم ملے تو بھی یہ پس انداز کرنے پر مجبور ہیں تیسرے وہ ہیں جو اُس وقت تک پس انداز ہی نہیں کرتے جب تک کہ ان کو ایک خاص معاوضہ ملنے کی امید نہ ہو، اس طبقے کی اہمیّت اس لیے زیادہ ہے کہ اگر کثیر رقموں کی ضرورت ہے تو معاوضہ ان کی منشا کے مطابق ہونا چاہیے ورنہ یہ لوگ پس انداز نہیں کریں گے۔

جس طرح سرمایہ حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں اسی طرح سرمایہ دینے کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔ پہلی صورت پرامیسری نوٹوں کی ہے، یہ ضمانتی اور بلا ضمانتی دونوں طرح کے ہوتے ہیں، ضمانتیں مکان زیور، جایداد، حکومت کے تمسک، کاروبار اور کارخانوں کے حصّے، قابلِ بیع و شرئ دستاویزیں وغیرہ رکھی جاتی ہیں، مستند بینک مکان اور جایداد کی ضمانت قبول نہیں کرتے کیونکہ ان سے رُپیہ فوراً حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اچھی ساکھ والے کاروباری آدمیوں کو بلا ضمانت بھی قرض مل جاتا ہے، دوسرا طریقہ "نقد اعتبار"

کا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کو کاروبار کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی رہتی ہے، اب اگر وہ ہر بار ضمانت دے اور قرض لیا کرے تو یہ بڑی تکلیف دہ چیز ہو جائے گی، آسانی کی خاطر وہ اپنے کاروبار کا اندازہ کرکے ایک دو یا تین مہینے کے لیے اپنی رقم کا تخمینہ لگا کر اس رقم کی ضمانت بینک میں داخل کر دیتا ہے، اس طرح کاروبار ایک معینہ حد کے اندر ہوتا رہتا ہے۔ تیسرا طریقہ "اوور ڈرافٹ" کا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ ہر شخص جس کا بینک میں کھاتا کھلا ہو اپنے بینک کے نام اپنی جمع کی ہوئی رقم کی حد تک ہی چک لکھ سکتا ہے، لیکن جب اس کی رقم ختم ہو جائے اور ابھی اس کو کچھ رقمیں ادا کرنی باقی ہوں تو وہ کیا کرے؟ ایسی صورت میں بینک اس کی ساکھ اور اعتبار کو دیکھتے ہوئے کچھ زاید رقم حاصل کرنے کی اجازت دے دیتا ہے، یعنی بینک نے اس کو قرض دے کر اس کا کام چلا دیا، مگر یہ صورت صرف اچھی ساکھ والے کاروباری آدمیوں کے ساتھ ہی پیش آتی ہے۔

بینک کا چوتھا کام ہنڈیوں پر بٹا کاٹنا ہے، آج کل تجارت میں ہنڈیاں بہت زیادہ استعمال کی جاتی ہیں مگر یہ ایک مقررہ مدت کے بعد قابلِ ادا ہوتی ہیں، لیکن کوئی کاروباری آدمی اتنا انتظار نہیں کر سکتا، اس لیے یہ کام بینک ہی کرتا ہے کہ وہ خود ہنڈی کی رقم فی الفور ادا کر دے اور بعد میں ہنڈی لکھنے والے سے وصول کرتا رہے، چنانچہ بینک ہنڈی کی مدت کے لحاظ سے سود وضع کرکے رقم ادا کر دیتا ہے اور اسی کو بٹا کاٹنے کا کام کہا جاتا ہے۔

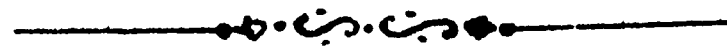
بینک ایک طرف تو خود قرض لیتا ہے اور دوسری طرف قرض دیتا

ہی مگر اس کا خیال رکھتا ہی کہ خود کم سود پر قرض لے ۔ یعنی سود کم ادا کرے اور دوسروں سے اپنی قرض دی ہوئی رقموں کا سود زیادہ طلب کرے اور ان شرحوں کا فرق بینک کا منافع ہی۔ گویا بینک ایک دُکان ہی جہاں سرمائے کا کاروبار ہوتا ہی جس طرح دُکان دار سستا مال خرید کر اس کو مہنگا بیچتے ہیں اسی طرح بینک ارزاں شرح پر سرمایہ فراہم کر کے گراں شرح پر لوگوں کو دیتا ہی ۔ اس طرح جو بچت ہوتی ہی اس میں سے بینک کے سارے اخراجات مثلاً منیجر اور عملے کی تنخواہ عمارت کا کرایہ، چوکیداروں کی تنخواہ وغیرہ ادا کی جاتی ہی۔ اس کے بعد جو رقم بچ رہتی ہی اس کا کچھ حصہ سرمایۂ محفوظ میں رکھ کر باقی حصہ، حصے داروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہی لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بینک جس شرح پر قرض لیتا ہی اور جس شرح پر قرض دیتا ہی اس میں بڑا اختلاف پایا ہی، بڑے اور اچھے بینکوں میں یہ فرق بہت کم ہوتا ہی مگر چونکہ ان کا کاروبار بڑھا ہوا ہوتا ہی اس لیے مجموعی حیثیت سے بہت زیادہ نفع ہو جاتا ہی اور ان کے سارے اخراجات پورے ہو جاتے ہیں۔

بینکوں کا ایک اور کام نوٹ جاری کرنا ہی، مگر یہ خدمت ہر بینک انجام نہیں دے سکتا بلکہ یہاں سرکاری اجازت ضروری ہی جس کو سرکار اجازت دیتی ہی وہی نوٹ جاری کرتا ہی، آج کل ہر جگہ مرکزی بینک کو ہی نوٹ جاری کرنے کی اجازت ہوتی ہی۔ اور مرکزی بینک ہر ملک میں ایک ہی ہوتا ہی۔

بینک مختلف ملکوں کے سکّوں کا تبادلہ بھی کرتا ہی، اور رقمیں ادھر

سے اُدھر منتقل کرتا ہے۔ آج کل تجارت کے علاوہ سیاح، مسافر اور طالبِ علم ایک جگہ سے دوسری جگہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس اپنے ملک کا رُپیہ ہوتا ہے مگر دوسرے ملکوں میں یہ رپیہ نہیں چل سکتا اور وہاں کے لیے اس کو دوسرے ملک کے زر میں بدلوانا پڑتا ہے اور یہ کام بینک ہی کرتا ہے اور وہی شرح مبادلہ اور اس کے اُتار چڑھاو سے خوب واقف ہوتا ہے۔



تیسرا باب

اعتباری دستاویزیں

عام لوگ تو صرف چاندی سونے کے سکّوں کو نقد کہتے ہیں مگر کچھ سمجھ دار آدمی نوٹوں کو بھی زرِ نقد میں شامل کرتے ہیں لیکن یہ شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ موجودہ کاروبار صرف انھی کے بل بوتے پر نہیں چل رہا ہے بلکہ اعتبار کا بھی ایک بڑا شعبہ ہے جو کاروباری دنیا میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، جب یہ دیکھ لیا گیا کہ بڑھتے ہوئے کاروبار کے لیے دھاتوں کے سکّے کافی نہیں ہوتے تو کاغذ کا زر جاری کیا گیا، مگر جب ان سے بھی کام نہ چلا تو خود بخود ایسی چیزیں پیدا ہوگئیں جو زر تو نہیں ہیں مگر زر کا کام انجام دیتی ہیں، یہ چیزیں اعتبار پر چلتی ہیں اور آج کل کاروبار میں اعتبار کی بڑی اہمیّت ہے۔

اعتبار کا مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز نقد نہ خریدی جائے بلکہ اس کی قیمت بعد میں ادا کی جائے۔ قیمت خواہ فوراً ادا کی جائے یا کچھ دنوں بعد، زر کی ضرورت ہر صورت میں باقی رہتی ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ خریدار کو جو کچھ دنوں کی مہلت ملتی ہے اس میں وہ خود کوئی چیز تیار کرے اور قرض دینے والے شخص کے ہاتھ فروخت کردے، اس طرح دونوں کی مالیتیں بے باق ہوجائیں گی اگر یہ چیزیں مساوی قیمت کی ہوں تب تو کوئی بات ہی نہیں، لیکن اگر مساوی نہ ہوں تو دونوں

کو ایک دوسرے کی کمی یا زیادتی کی حد تک نقد رقم کی صورت میں ادا کرنا ہوگی، یہ در اصل چیزوں کا چیزوں سے تبادلہ ہے جس کو اصطلاح میں "بارٹر" کہا جاتا ہے، بارٹر کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں جتنے زیادہ افراد شریک ہوتے جائیں گے اسی قدر زیادہ سہولت اور آسانی پیدا ہوتی جائے گی۔ چنانچہ آج کل اس بارٹر کے دائرے میں ساری دنیا شامل ہوگئی ہے اور آپس کے لین دین میں بڑی آسانیاں پیدا ہوگئی ہیں، اب محض کاغذ کے پرزوں سے لاکھوں کا کاروبار ہوجاتا ہے، ان کاغذی پرزوں کو اعتباری دستاویز کہا جاتا ہے، ان میں نوٹ چیک اور ہنڈیاں زیادہ اہم ہیں۔

عام طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صرف کاغذ کے ٹکڑوں سے ملک کی دولت میں کیوں کر اضافہ ہوسکتا ہے۔ بات در اصل یہ ہے کہ سونے اور چاندی کے سکے بذاتِ خود ہماری کسی ضرورت کو پورا نہیں کرتے بلکہ وہ محض ایک آلۂ مبادلہ کا کام انجام دیتے ہیں، اور آلۂ مبادلہ کے لیے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ اس میں ذاتی قدر بھی ہو ذاتی قدر کی خواہش محض اس وجہ سے تھی کہ لوگوں کو اعتبار اور بھروسا نہ تھا لیکن اگر کوئی بیچ میں پڑکر یہ یقین دلادے کہ جو چیز بطورِ زر استعمال ہورہی ہے اس کی قیمت ایک حالت پر رہے گی اور کوئی اس کے لینے سے انکار نہیں کرے گا تو لوگ ہر چیز کو خواہ وہ قیمتی ہو یا معمولی بطورِ زر کے استعمال کرسکتے ہیں۔ گویا جب زر کا رواج عام مقبولیت اور چلن پر ٹھیرا تو یہ بات بالکل غیر ضروری ہوجاتی ہے کہ جو شے بطورِ زر استعمال ہورہی ہے اس کی نوعیت اور قیمت کیا ہے؟ بلکہ دیکھنے کی

یہ بات ہے کہ یہ مقصد کس چیز سے اچھی طرح پورا ہو سکتا ہے، اگر یہ خدمت کوئی معمولی اور کم قیمت چیز انجام دے سکے تو اس کام کے لیے قیمتی دھاتوں کو مخصوص کرنا خلافِ عقل ہے چنانچہ جیسے جیسے لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آتی گئی ویسے ہی قیمتی دھاتیں بازار سے ہٹنے لگیں اور نوٹ ملک میں رواج پائے گئے۔

نوٹ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک "نیابتی زرِ کاغذی" کہلاتے ہیں، یہ جب چلائے جاتے ہیں تو ان کی قیمت کے مساوی دھاتیں خزانے یا بنک میں جمع کرنا پڑتی ہیں۔ یہ گویا ایک قسم کی رسیدیں ہوتی ہیں مگر ان کے چلن سے کوئی خاص فایدہ نہیں ہوتا، کیونکہ بہرحال نوٹوں کے ہم قدر دھاتوں کو محفوظ رکھنا پڑتا ہے اس طرح یہ دھاتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ دوسری قسم کے نوٹ "بدل پذیر" ہوتے ہیں، یعنی کسی ملک کی حکومت یا مستند بنک یہ نوٹ جاری کرتا ہے، اس نوٹ پر ادائی کا وعدہ لکھا رہتا ہے کہ مندرجہ رقم نوٹ پیش کرنے والے کو ہر وقت ادا کی جا سکتی ہے، اس قسم کے نوٹوں کے پیچھے کچھ حصہ قیمتی دھاتوں کا رکھا جاتا ہے، عام طور پر جتنے نوٹ گردش کرتے رہتے ہیں ان کا ⅓ حصہ سونے اور چاندی کی شکل میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور بقیہ حصہ تمسکوں کی صورت میں لگا کر منافع کمایا جاتا ہے، جب بھروسہ ہو جاتا ہے تو ایسے نوٹ بہت آزادی سے گردش کرتے رہتے ہیں اور سارا کاروبار ان سے ہوتا رہتا ہے اور کسی کو اتنی جلدی نہیں ہوتی کہ خزانہ یا بنک میں داخل کر کے ان کی بجائے روپیہ وصول کرے۔ ہندوستان میں موجودہ ایک روپے والے

نوٹوں کے علاوہ جتنے نوٹ جاری ہیں وہ سب اسی قسم کے نوٹ ہیں تیسری قسم کے نوٹ "غیر بدل پزیر" کہلاتے ہیں۔ دراصل یہ صرف کاغذ کا ٹکڑا ہوتے ہیں جن پر رقم تو درج ہوتی ہے مگر نہ وہ کسی رقم کی رسید ہوتے ہیں اور نہ ان پر ادائی کا وعدہ ہوتا ہے، یہ صرف حکومت کی ساکھ پر چلتے ہیں، ایسے نوٹ عموماً اُسی وقت جاری کیے جاتے ہیں جب ملک میں زر کی قلت ہو اور دھاتیں نہ مل رہی ہوں، اکثر نازک موقعوں پر بعض ملکوں میں اس قسم کے نوٹ جاری ہو چکے ہیں. مثلاً گزشتہ جنگِ عظیم کے موقع پر یورپ کے اکثر ملکوں میں بڑی بڑی قیمتوں کے ایسے نوٹ جاری ہوئے تھے مگر ان کے رواج میں بڑے خطرے ہیں، اور ان کو جاری کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ یہ جب ملک کی کاروباری ضرورت سے زائد جاری ہو جاتے ہیں تو سارے بازار اور کاروبار میں ابتری پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے جب حکومتوں کی مالی حالت بہتر ہونے لگتی ہے تو ان نوٹوں کو واپس لے لیا جاتا ہے اور کبھی کبھی صرف مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ان کو منسوخ بھی کر دیا جاتا ہے

چک ایک قسم کا حکم نامہ ہے جو کسی بینک کے نام اس کا گاہک لکھتا ہے کہ مندرجہ رقم کسی دوسرے شخص کو یا خود اُس کو اُس کے حساب میں سے ادا کر دی جائے، چک کے ذریعے سے آج کل جو کاروبار ہوتا ہے وہ قیمتی دھاتوں اور نوٹوں کے ذریعے سے ممکن ہی نہ تھا. ذیل میں شہر لندن کے ایک حساب گھر کے اعداد دیے جاتے ہیں. جن سے چکوں کی تعداد اور ان کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا، واضح رہنا چاہیے کہ یہ اعداد صرف "لندن کلیرنگ ہاؤس" کے ہیں، انگلستان

میں اس کے علاوہ اور بھی حساب گھر ہیں۔

۱۹۲۹ء میں چکوں کی کل مندرجہ رقم	۴۴ ارب پونڈ
چکوں کی روزانہ اوسط مقدار	۱۳ لاکھ پونڈ
۳۰ر جون ۱۹۳۰ء کو جو رقم ان کے ذریعے سے ایک دن میں ادا ہوئی	۲۸ کروڑ پونڈ
جنگ سے پہلے انگلستان کے کل سونے کی تعداد	۱۲ کروڑ پونڈ
جنگ سے پہلے نوٹوں کی تعداد	۳ کروڑ پونڈ

ان اعداد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہی کہ انگلستان میں کل سونے اور نوٹوں کی مقدار اتنی نہ تھی کہ اس سے صرف ایک خاص دن یعنی ۳۰ر جون کا کاروبار بھی ہوسکتا، پھر بھلا اس قلیل تعداد سے ۴۴ ارب پونڈ یا ۵۸۶ ارب رُپے کا کاروبار کیسے ہوسکتا تھا۔

اس وسعت اور اہمیّت کے باوجود چک کو زر نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ وہ قانونی زر نہیں ہی، قانونی زر ہر شخص لینے پر مجبور ہی مگر چک لینے پر قانونی طور پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی چک کو حکومت کی وہ تائید حاصل نہیں جو نوٹوں کو حاصل ہی، مگر اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہی کہ چک حاصل کرنے والے کو یہ حق حاصل ہی کہ وہ جب چاہے اس کو متعلقہ بینک میں پیش کرکے اس کے معاوضے میں زر حاصل کرسکتا ہی، اور محض اسی خوبی کی وجہ سے اس کا اس قدر رواج بڑھا۔

ایک شخص جب دوسرے آدمی کو چک لکھ کر دیتا ہی تو چک وصول کرنے والا ایسا بہت کم کرتا ہی کہ اس کے معاوضے میں رُپے یا نوٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے، بلکہ جن ملکوں میں بینکوں کا زیادہ

رواج ہے وہاں چک کا رُپیہ لینے کی بجائے یہ رقم چک پیش کرنے والے
کے حساب میں جمع کرلی جاتی ہے اور چک لکھنے والے کے حساب سے
خارج ہوجاتی ہے، اس طرح بغیر زر کے کاروبار ہوجاتا ہے۔
چک میں بڑی خوبیاں ہیں، پہلے یہ کہ چک دوسرے زروں
کے مقابلے میں بہت محفوظ ہوتا ہے۔ اس پر ایسی نشانیاں بنا دی جاتی
ہیں جس سے دھوکے، فریب اور چوری کا امکان کم ہوجاتا ہے، دوسرے
اس کو ایک معمولی لفافے میں رکھ کر ادھر سے اُدھر بھیجا جا سکتا ہے
تیسرے چک ہر چھوٹی بڑی رقم کا لکھا جا سکتا ہے، چک رسید کا کام بھی
دیتا ہے کیونکہ ہر مہینے بنک اپنے گاہک کے تمام ادا شدہ چک اس کے
پاس بھیج دیتا ہے۔ چک پر حکومت اپنا ٹیکس بھی وصول کرتی ہے اور یہ ٹکٹ
کی صورت میں وصول کیا جاتا ہے، بنک یا حکومت کے نوٹ بعض وقت
غیر بدل پزیر قرار دیے جاتے ہیں جیسا کہ گزشتہ جنگ کے زمانے میں
ہوا، مگر چک کو قانونی نقطۂ نظر سے تو نہیں لیکن عام سمجھوتے کی رو
سے یہ فوقیت حاصل ہے کہ اسے ہر وقت زرِ نقد میں بدلا جا سکتا ہے اور وہ
کبھی غیر بدل پزیر نہیں ہوتا۔ ترقی یافتہ ملکوں میں یہ بھروسا اس قدر
بڑھ گیا ہے کہ لوگ اس کو نہ صرف زرِ نقد سمجھتے ہیں بلکہ اس پر ترجیح بھی
دیتے ہیں۔
ہُنڈی بھی ایک قسم کا چک ہوتی ہے، مگر ہنڈی اور چک میں یہ
فرق ہے کہ چک ہمیشہ بنک کے نام لکھا جاتا ہے، مگر ہنڈی ہر اس
شخص کے نام لکھی جا سکتی ہے جس نے اپنے لین دار کو ہنڈی لکھنے
کی اجازت دے دی ہو، دوسرے چک بالعموم ایک ہی شہر میں

چلتا ہے اور ہنڈیاں دو شہروں یا دو تجارتی مرکزوں کے درمیان چلتی ہیں۔ تیسرے چک فوراً قابل ادائی ہے مگر ہنڈی ایک معینہ مدت کے بعد ادا ہوتی ہے۔

ہنڈی اور بینک کے نوٹوں میں بھی فرق ہے، مثلاً نوٹوں پر سود ادا نہیں کیا جاتا مگر ہنڈی پر بچنتہ ہونے تک برابر سود ادا ہوتا رہتا ہے، دوسرے نوٹ بغیر کسی تحریر کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتے ہیں، لیکن ہنڈیاں ہمیشہ تحریر کے ساتھ اِدھر سے اُدھر منتقل ہوتی ہیں۔ تیسرے نوٹ صرف ثابت یعنی پوری پوری رقموں کے ہوتے ہیں مگر ہنڈی میں آنے اور پائی بھی آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہنڈی کا تاریخ معینہ پر پیش ہوجانا لازمی ہے ورنہ اُن افراد کے خلاف جن کے ہاتھوں سے ہنڈی گزری ہے قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق زائل ہوجاتا ہے، لیکن نوٹوں کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔

آج کل بیرونی ملکوں سے جو تجارت ہوتی ہے وہ زیادہ تر ہنڈیوں کے ذریعے سے ہوتی ہے مگر ہنڈیاں ہمیشہ میعادی ہوتی ہیں یعنی ان کی رقم مقررہ مدت کے بعد ہی ادا ہوسکتی ہے۔ اب یہ کام بینک ہی کا ہوتا ہے کہ وہ خود ہنڈی کی رقم فوراً ادا کردے اور بعد میں ہنڈی لکھنے والے سے وصول کرتا رہے۔ مثلاً ب نے ج سے کچھ مال خریدا اور بجائے نقد رقم ادا کرنے کے ج کو ایک ہنڈی لکھ دی کہ وہ ۶۰ یا ۹۰ دن (جو مدت بھی طے ہوجائے) کے بعد یہ رقم ادا کردے گا، مگر ج کو اس رقم کی ابھی ضرورت ہے، اس لیے وہ بینک کے پاس جاتا ہے اور اس سے ہنڈی کی رقم طلب کرتا ہے، اب اگر

بینک کے خیال میں ب کی ساکھ اچھی ہی تو وہ فوراً یہ رقم اس مدت کا سود کاٹ کر ج کو ادا کردیتا ہی۔ ج کو چونکہ رقم کی فوراً ضرورت ہوتی ہی اس لیے وہ سود ادا کرنے پر تیار ہوجاتا ہی (واضح رہنا چاہیے کہ ج ہنڈی لکھواتے وقت اس مدت کا سود بھی اس میں شامل کرادیتا ہی، اس طرح ج کو کوئی رقم اپنی جیب سے ادا کرنا نہیں پڑتی) اب بینک مدت گزرنے کے بعد ب سے یہ رقم وصول کرلیتا ہی، اس کاروبار کو "ہنڈی پر بٹا کاٹنے کا کام" کہتے ہیں۔ جب تک ہنڈی ادا نہ ہو اس کی "پختگی کا زمانہ" کہلاتا ہی، اس زمانے میں بینک چاہے تو اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے، اور خریدنے والا کسی تیسرے کو دے سکتا ہی پختگی کے زمانے میں وہ مختلف ہاتھوں میں گھوم سکتی ہی لیکن مدت ختم ہونے کے بعد اس کا ب کے پاس پہنچنا لازمی ہی، اور ب کا فرض ہی کہ وہ اس کو اسی وقت ادا کردے، زیادہ سے زیادہ تین "رعایتی دن" اس کو مل سکتے ہیں، وقت پر ہنڈی ادا نہ کرنے سے کاروباری آدمی کے دامن پر ایک بدنما داغ لگ جاتا ہی جو عمر بھر نہیں چھوٹ سکتا، اس کی ساری ساکھ ختم ہوجاتی ہی اس لیے ہنڈی کی ادائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہی۔

ہنڈی کی یہی صورت ایک کارخانے دار اور تھوک فروش کے درمیان ہوسکتی ہی، یعنی ایک کارخانے دار نے ایک تھوک فروش کے ہاتھ کچھ مال فروخت کیا، مگر تھوک فروش اس وقت قیمت دینا نہیں چاہتا بلکہ یہ مال خردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ کر ان سے قیمت وصول کرکے کارخانے دار کو ادا کرے گا، اب خردہ فروش اپنے خریداروں سے

سے قیمت وصول ہونے کے بعد تھوک فروش کو دینا چاہتے ہیں، پھر خریدار بھی مختلف قسم کے ہوتے ہیں، کچھ نقد خریدتے ہیں بعض تھوڑے دنوں میں اور بعض زیادہ مدّت میں قیمت ادا کرتے ہیں، اب اگر یہ تسلسل قایم ہوجائے کہ خریدار خردہ فروش کو، خردہ فروش تھوک فروش کو، اور تھوک فروش کارخانے دار کو قیمت ادا کرے گا تو اس میں بڑا وقت گزر جائے گا، اور کسی کارخانے کے لیے اتنے طویل عرصے تک انتظار کرنا بالکل غیر ممکن ہے، اس کو تو روپے کی فوراً ضرورت ہے لہذا اس پیچیدہ اور چکر دار مشین کے چلانے کے لیے ایک ایسے ادارے کی ضرورت ہے جو کارخانے کو قیمت تو اسی وقت ادا کردے مگر تھوک فروش سے قیمت اتنے عرصے کے بعد وصول کرے کہ اس کو اپنے گاہکوں سے وصول ہوجائے اور یہ خدمت ہمارے بینک ہی انجام دیتے ہیں

چوتھا باب

ہندستان کے بینکوں کی تاریخ

اس زمانے میں کسی ملک کی معاشی برتری یا کمتری کا معیار معلوم کرنے کی ایک کسوٹی بینکوں کی کمی یا زیادتی بھی ہے، وہ ملک معاشی نقطۂ نظر سے کبھی خوش حال نہیں کہا جاسکتا جہاں بینک کم ہوں کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہاں اعتبار نہیں یا بینکوں کی ضرورت نہیں اور جہاں اعتبار نہ ہو یا بینکوں کی ضرورت نہ ہو یا کم ہو وہاں لین دین، کاروبار، تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت کسی کی بھی حالت اچھی نہیں ہوسکتی، کیونکہ ہر چیز کی ترقی کے لیے رُپے کی ضرورت ہے اور آج کل رُپیہ فراہم کرنے والا ادارہ بینک ہی ہوتا ہے، کاروباری رونق، تجارتی گرم بازاری، اور صنعت و حرفت کی کثرت اُسی ملک میں نظر آسکتی ہے۔ جہاں اعتبار ہو اور اعتبار جتنا زیادہ ہوگا اسی قدر بینک وہاں زیادہ ہوں گے۔

دوسرے اکثر ملکوں میں بینکوں نے کافی ترقی کرلی ہے، چنانچہ ذیل میں ایک نقشہ دیا گیا ہے جس سے اس کا کچھ اندازہ ہوسکے گا کہ ان ملکوں کے مقابلے میں ہمارے یہاں بینکوں کی کس قدر کمی ہے، اگرچہ یہ اندازہ بالکل صحیح اس لیے نہیں ہوسکتا کہ ایک تو اعداد ایک وقت کے نہیں ہیں، دوسرے آبادی بھی ایک سال کی نہیں ہے، تیسرے

ان ملکوں کے سکّوں کے تبادلے کی قیمتوں میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں مگر مقابلے کے بغیر کسی چیز کی کمی یا زیادتی کا ٹھیک احساس ہونا بھی بڑا مشکل ہے اس لیے تازہ ترین اعداد کو فراہم کیا گیا ہے اور مقابلے کی آسانی کی خاطر ان ملکوں کے سکّوں کو روپے میں تبدیل کر دیا ہے، روپیہ بناتے وقت عام معیاری شرح کو برقرار رکھا ہے، اس سلسلے میں ایک اور بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ بعض ملکوں میں بڑے بینک کم ہیں مگر اُن کی شاخیں بہت زیادہ ہیں مثلاً انگلستان میں بڑے بینک صرف ۱۵ ہیں، لیکن ایک ہی بینک یعنی "لائیڈ بینک" کی دو ہزار سے زاید شاخیں ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہی حال فرانس اور جاپان کا ہے، امریکہ کی متحدہ ریاستوں میں تو بینکوں کی شاخوں کا ایک وسیع نظام پھیلا ہوا ہے، اس کے برخلاف ہمارے یہاں اوّل تو بڑے بینک ہی کم ہیں، دوسرے ان کی شاخیں بھی زیادہ نہیں۔ ہندوستان میں اکثر ایسے قصبے موجود ہیں جن کی آبادی تیس پینتیس ہزار کے لگ بھگ ہے مگر وہاں بینک کی کوئی شاخ نہیں ہے ۱۹۴۰ء میں ہمارے یہاں جدولی بینکوں (یہی ہمارے یہاں کے بڑے بینک ہیں) کی تعداد ۶۴ تھی جس میں سے ۵۹ ہندوستان میں اور ۵ برما میں واقع ہیں۔ مقابلے میں جو ملک پیش کیے گئے ہیں ان کے بینکوں کا مجموعی سرمایہ ہمارے یہاں کے سرمائے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے مگر ہم نے امانتوں کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ مجموعی سرمایہ کسی ملک کی عام تجارت اور کاروبار کو ظاہر کرتا ہے اور خانگی امانتیں وہاں کے عوام کی عادتوں کا اظہار کرتی ہیں جہاں امانتوں کی مقدار زیادہ ہو وہاں بینک کاری کا ایک عام رجحان

پایا جائے گا اور عوام بنکوں سے لین دین کرنے کے خوب عادی ہونگے جہاں امانتیں کم ہوں وہاں صورت برعکس ہوگی۔

	ہندوستان	امریکہ کی متحدہ ریاستیں	انگلستان	جاپان	فرانس
	سنہ ۱۹۴۱ء		۳۷		۱۹ ء
بینک وران کی شاخیں	۱۳۸۵	۱۵۰۱۲	۱۰۹۷	۳۶۵۴	۲۰۷۸
کل امانتیں	۲ ارب ۸۵ کرور روپیہ	۴۲ ارب ۷۵ کرور ڈالر	۲ ارب ۴۲ کرور پونڈ	۱۱ ارب ین	۴۰ ارب فرانک
امانتیں روپے میں	،،	۱۲۷ ارب ۱۰ کرور	۳۱ ارب ۳۰ کرور	۱۴ ارب ۶۷ کرور	۴ ارب ۴۴ کرور
آبادی	۴۰ کرور	۱۲ ۱/۴ کرور	۵ کرور	۹ ۳/۴ کرور	۴ ۱/۲ کرور
	۴۱ء	۳۰ء	۳۱ء	۳۵ء	۳۱ء
اوسط امانت فی کس بحساب روپیہ	۷ روپے	۱۰۴۲ روپے	۶۲۶ روپے	۱۵۰ روپے	۱۰۵ روپے

۱۔ ہندستان کے علاوہ دوسرے اعداد مجلس اقوام کی کتاب Money and Banking—1938—39 سے لیے ہیں

۲۔ برما کی آبادی کو ہندوستان میں شامل کیا ہے کیونکہ بینک کاری کے نظام میں وہ الگ نہیں ہے۔

۳۔ سکّوں کی شرح تبادلہ حسب ذیل ہے۔

روپیہ = ۱۸ پنس یا ۱۳ روپے ۵ آنے ۴ پائی = ایک پونڈ

ڈالر = ۳ روپے ایک آنہ دو پائی

ین = ۲ شلنگ ۱/۲ پنس

فرانک = ۲ پنس

اس نقشے پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ہندستان نے ابھی بنکوں سے بہت کم فایدہ اُٹھایا ہی، اگرچہ یہ ٹھیک ہی کہ ہمارے ہاں بنکوں کی ترقی کی اس قدر گنجایش نہیں جتنی کہ امریکہ، انگلستان یا جاپان وغیرہ میں ہی، کیونکہ اوّل تو ہمارے ہاں بڑے بڑے شہر اور قصبے بہت کم ہیں اور دیہات بہت زیادہ ہیں، بنکوں کی ترقی کے لیے شہروں کا وجود ضروری ہی، دوسرے لوگوں کی آمدنی کا اوسط بہت کم ہی، آبادی کا بڑا حصہ جو کماتا ہی اتنا ہی خرچ کردیتا ہی۔ تیسرے ملک کا بڑا پیشہ زراعت ہی اور زراعت بھی قدیم اور فرسودہ اصولوں پر ہوتی ہی اس لیے اس سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا جو پس انداز کیا جاسکے۔ چوتھے صنعت و حرفت کی بھی کمی ہی، یعنی ملک میں ایسے بڑے بڑے کارخانے نہیں ہیں جہاں کثیر سرمائے کی ضرورت ہو۔ پانچویں یہاں تعلیم کی کمی ہی، بنک سے کاروبار کرنے کے لیے تھوڑی بہت تعلیم اور عام واقفیت کا ہونا ضروری ہی ورنہ کاروبار نہیں ہوسکتا چھٹے یہاں کے لوگوں کو اندوختے جمع کرنے کا بڑا شوق ہی، چنانچہ مختلف اندازوں کے مطابق ہندوستان میں آٹھ دس ارب رُپیہ دفینوں یا زیورات کی شکل میں موجود ہی جو پیدایش کے کسی کام میں نہیں آرہا ہی۔

جو اسباب بیان کیے گئے ان میں سے بعض تو بنیادی ہیں جن میں رفتہ رفتہ تبدیلی ہوگی اور جب تبدیلیاں ہوجائیں گی تو مزید بنک یا موجودہ بنکوں کی شاخوں میں اضافہ ہوجائے گا، مگر اس کا یہ مطلب

ہرگز نہیں کہ ملک کے موجودہ بینک ہماری ضرورت کے لیے کافی ہیں، مثلاً ہندستان میں ۲۳ ہزار سے زاید قصبے ہیں مگر ان میں سے صرف ساڑھے تین سو قصبوں میں بینکوں کی شاخیں قایم ہیں، اب بھی بہت سے کاروبار ایسے ہیں جنھیں قلتِ سرمایہ کی شکایت ہی، اگر ملک میں کافی سرمایہ ہو تو متعدد نئے نئے کاروبار پیدا ہو سکتے ہیں، اور جن کے لیے خود ملک کے اندر خام مال، محنت اور بازار موجود ہی، پھر اس وقت ملک کے اکثر کاروبار بیرونی سرمایے کے بل بوتے پر چل رہے ہیں جو ملک کے لیے کسی طرح بھی مفید نہیں، پھر ملک میں دفینوں اور زیوروں کی شکل میں سرمایہ بھی کافی موجود ہی صرف اس بات کی ضرورت ہی کہ اچھے اور مستند ادارے پیدا ہوں اور اس بے کار سرمایے کو کاروبار میں لگائیں، ان باتوں سے معلوم ہوتا ہی کہ ابھی ملک میں بینکوں کے قیام، ترقی اور توسیع کی گنجایش ہی۔

قدیم بینکاری

ہندستان میں بینکاری کی ابتدا کب اور کس طرح ہوئی اس کی کوئی صحیح تاریخ تو موجود نہیں مگر قدیم جریدوں اور مذہبی کتابوں سے پتا چلتا ہی کہ یہ طریقہ ویدوں کے زمانے (۲ ہزار تا ۱۴۰۰ قبل مسیح) سے رائج ہی، ایم، ایل ٹینان (M. L. Tannan) نے لکھا ہی کہ "غالباً ہندوستان ہی دنیا میں ایک ایسا ملک ہی جس کی دوسرے ملکوں کے مقابلے میں بینکاری کی معلومات بہت قدیم ہیں" میڈوز ٹیلر (Meadows Taylor) نے ہندوستان کی تاریخ میں قدیم ہندوستانی بینکاری کا ذکر بڑے شاندار الفاظ

میں کیا ہی، وہ لکھا ہی کہ " منو کے قوانین پڑھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ہندستان میں آج سے تین ہزار برس پہلے علم بینکاری کس قدر ترقی کرچکا تھا، بینکر زر کے تغیرات کو اچھی طرح سمجھتے تھے، یہ لوگ بہی کھاتے حساب کھاتے اور روز نامچے رکھا کرتے تھے، سادہ اور سود در سود دونوں طرح کا سود لیا کرتے تھے، تجارتی مال واسباب کا بیمہ کرتے تھے۔ ہنڈیاں کاٹتے تھے، لوگوں کو ضمانت اور بلا ضمانت قرض دیتے تھے غرض کہ وہ تمام کاروبار کرتے تھے جو موجودہ زمانے کے بینک کرتے ہیں "

منو اور وشنو کی کتابوں میں ابتدائی مسیحی صدیوں کی بینکاری کا ذکر موجود ہی، البتہ چھٹی صدی سے سولھویں صدی تک بینکاری کا کوئی مکمل خاکہ موجود نہیں، صرف جینیوں کے ایک کتبے سے جو کوہ آبو میں محفوظ ہی یہ پتا چلتا ہی کہ بارھویں صدی میں جینی بینکار بڑے مالدار ہوتے تھے، چودھویں میں ملتانیوں کو اس کاروبار میں بڑا دخل تھا اور دہلی کی حکومت روپے کے معاملے میں ان کی امداد حاصل کیا کرتی تھی، فیروزشاہ کے زمانے میں سرسوتی کے بینکار حکومت کو قرض دیا کرتے تھے۔

سترھویں صدی کے وسط میں فرانسیسی سیاح جے. بی ٹیورنیر نے یہاں کی بینکاری کے حالات کو تفصیل سے قلم بند کیا ہی وہ لکھتا ہی کہ:
" ہر گانو میں ایک صراف ہوتا ہی جو روپے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتا ہی، امانتیں رکھتا ہی اور تجارت خارجہ میں بڑی امداد پہنچاتا ہی، اُس نے یہ بھی بتایا ہی کہ سورت میں مختلف مقامات مثلاً

لاہور، سرونج، آگرہ، احمد آباد، بُرہان پور، ڈھاکہ، پٹنہ اور بنارس کے لیے ہنڈیاں کاٹی جاتی تھیں، جن کی مدت تین مہینے کی ہوتی تھی مگر شرح سود نہ صرف زیادہ تھی بلکہ ہر جگہ کی مختلف ہوتی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس زمانے میں راستے میں مال کے چوری جانے کے خطرے بہت زیادہ تھے، مغلوں کے زمانے میں بینکاروں کی بڑی اہمیت تھی۔ اورنگ زیب نے ایک مشہور بینکار مانک چند کو "سیٹھ" کا خطاب عطا کیا تھا، اس کا بھانجا فتح چند بنگال کا مشہور ساہوکار گزرا ہے، جس کا خطاب "جگت سیٹھ" تھا۔ فرخ سیر اس کو اکثر خلعت بھیجا کرتا تھا، بنگال کے نوابوں اور وہاں کے ساہوکاروں میں بڑے اچھے تعلقات تھے اور مال دار ساہوکاروں کا دربار پر بھی کافی اثر ہوتا تھا۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے سراج الدولہ کے خلاف بنگال میں ایک محاذ قایم کرنا چاہا تو اس نے نواب کے وزیر میر جعفر اور درباری سیٹھ اُمی چند کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

گو یہ قدیم ساہوکار موجودہ بینکوں کی تمام خدمتیں انجام دیتے تھے مگر کسی قانون اور ضابطے کے پابند نہ تھے۔ عام طور پر ان کا کاروبار ایمان داری کے ساتھ چلتا تھا، ان کے بہی کھاتے کی تحریر پتھر کی لکیر سمجھی جاتی تھی اور یہ اسی خصوصیت کا نتیجہ ہے کہ آج تک سرکاری عدالتیں اس کو مستند سمجھتی ہیں۔ بڑے ساہوکاروں کی دوسرے بڑے شہروں، قصبوں، گانوں میں شاخیں ہوتی تھیں جو "دکان" کہلاتی تھیں، ان دُکانوں کے منیجر منیب یا منیم کہلاتے تھے، ان کو بہت کم تنخواہ ملتی تھی اور لاکھوں کا کاروبار ان کے ہاتھ میں رہتا تھا، مگر

بددیانتی اور بے ایمانی کے واقعات بہت کم پیش آتے تھے۔ اس طریق کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ سارا کاروبار ساہوکار کے اپنے ذاتی سرمائے سے چلتا تھا۔ ابتدا میں سرمایہ تھوڑا ہوتا تھا مگر چونکہ شرح سود زیادہ ہوتی تھی اور سود درسود کا رواج تھا اس لیے اصل رقم بہت تھوڑے عرصے میں دُگنی اور تگنی ہوجاتی تھی۔

سترھویں صدی میں جب انگریز یہاں آئے تو وہ یہاں کی زبان سے ناواقف تھے، پھر یہاں کے اصول بینکاری سے بالکل نابلد، اس وجہ سے گو اُنھوں نے اپنی ذاتی کوٹھیاں قایم کیں مگر بنیائی حساب اور زبان کو برقرار رکھا اور ان چیزوں کو سیکھنے کے لیے مختلف قسم کے انعام مقرر کیے۔ ابتدا میں ایسٹ انڈیا کمپنی براہِ راست مالگذاری وصول نہ کرتی تھی بلکہ یہ کام بینکاروں کے سپرد تھا وہ پندرہ یا بیس روز کی میعادی پر مالگذاری ادا کرتے تھے اور پھر کاشتکاروں سے رقمیں وصول کیا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ طریقہ نہ صرف کاشتکاروں کے لیے بہت مضر تھا بلکہ اس طرح حکومت کا انحصار بھی ان بینکوں پر ہوگیا تھا لہذا ۱۸۰۰ء سے اس طریقے کو اڑا دیا گیا۔

جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے قدم یہاں جم گئے تو یوروپین خیالات اور رجحانات کے تحت ملک میں آہستہ آہستہ یوروپین طرز کے مختلف ادارے مدرسے، عدالتیں اور بینک وغیرہ بھی کھلنے لگے، سب سے پہلے "ایجنسی ہاؤسیز آف کلکتہ" نے بینکاری کی ابتدا کی، بینکاری ان کا اصل کاروبار نہ تھی بلکہ اس کا مقصد اپنے اصل کام میں ایک قسم کی ذیلی امداد حاصل کرنا تھی، یہ ہندستان کے بڑے بڑے

تاجروں ، چاے اور کافی کے باغوں کے مالکوں سے لین دین کرتی تھی
جہاز ، نیل اور دوسرے کارخانوں کو رہن رکھ کر روپیہ قرض دیا جاتا
تھا ، کمپنی کے انگریز عہدے دار اور دوسرے یورپین باشندے اپنی
رقمیں اس کے پاس محفوظ کراتے تھے کیونکہ اس کی شرح منافع بہت زیادہ
ہوتی تھی ، مگر ۳۲-۱۸۲۹ء کے مالی بحران میں یہ ادارہ ختم ہو گیا ، اس
کے علاوہ بعض اور تجارتی کمپنیاں مثلاً کاکس (Cox) گرنڈلی
Grindlay یا جہاز راں کمپنیاں مثلاً اورینٹل اور پنین سولر
Peninsular اپنے اصل کاروبار کے ساتھ بینکاری کی
خدمت بھی انجام دیا کرتی تھیں مگر ہندستان میں سب سے پہلے خالص
بینکاری کرنے والا ادارہ " بنک آف ہندستان " تھا ، جس کو ۱۷۷۰ء
میں الکزنڈر کمپنی نے کلکتہ میں قایم کیا ، اس نے اپنے نوٹ بھی جاری
کیے جو سرکاری خزانوں کے علاوہ عام طور پر کلکتہ اور اُس کے
گرد و نواح میں قبول کیے جاتے تھے - ان نوٹوں کی کوئی خاص مقدار
مقرر نہ تھی ، کبھی ان کی مقدار دو تین لاکھ ہوتی اور کبھی بڑھتے
بڑھتے بیس پچیس لاکھ تک پہنچ جاتی ، ۲۹-۱۸۱۹ء تک کے دس سال
اس بینک پر بڑے سخت گزرے ہیں اور لوگوں نے محض افواہوں
پر بھروسا کرتے ہوئے بیس بیس لاکھ روپے کے نوٹ نقد کرائے
حتیٰ کہ ۱۸۳۲ء کی عام کاروباری ابتری میں اس بینک کا خاتمہ
ہو گیا ، اس بینک کے خاتمے کے بعد کلکتہ کے تمام بڑے ساہوکاروں
کے واسطے سے " یونین بینک " قایم ہوا ، یہ مشترک سرمائے کا
بینک تھا مگر ۱۸۴۸ء میں یہ بھی ختم ہو گیا ، ۱۸۰۶ء میں کلکتہ میں

دو اور بینک کھلے ۔ ایک کا نام بنگال بینک (اس کا پریسیڈنسی بینک سے کوئی تعلق نہ تھا) اور دوسرے کا جنرل بینک آف انڈیا تھا، مگر یہ دونوں بینک بھی بہت جلد ختم ہوگئے ۱۷۹۱ء میں مدراس میں کرناٹک بینک قایم ہوا لیکن اسے بھی بہت جلد بند ہو جانا پڑا۔

پریسیڈنسی بینک

دراصل ہندستان میں منظم طریقے پر بینکوں کی ابتدا پریسیڈنسی بینکوں سے ہوتی ہے، بنگال بمبئی اور مدراس کے بینک پریسیڈنسی بینک کہلاتے تھے ، اور بعد میں یہی امپیریل بینک آف انڈیا میں تبدیل ہوگئے اگرچہ یہ تینوں بینک الگ الگ قایم ہوئے اور مساوی حیثیت کے تھے لیکن جیساکہ اُس زمانے میں بنگال کے گورنر کو بمبئی اور مدراس کے گورنروں کے مقابلے میں بعض اختیارات میں ترجیح حاصل تھی اسی طرح بینک آف بنگال کو اپنے دونوں معاصروں پر ترجیح تھی ، مثلاً ۱۸۷۶ء کے قانون کی رو سے ہر ایک بینک کے کاروبار کا علاقہ مقرر ہوگیا تھا مگر بنگال کے بینک کو سارے برطانوی ہند میں کاروبار کرنے کی اجازت دی گئی اور بمبئی اور مدراس کے بینکوں کو صرف ان کے احاطوں تک محدود کر دیا گیا، چنانچہ حیدر آباد دکن میں بینک آف بنگال نے اپنی شاخ قایم کی، چونکہ ہندستان کی بنکاری میں ان بینکوں کا درجہ بہت اہم رہا ہے اس لیے ان کا حال الگ الگ بیان کرنا مناسب ہے۔

انیسویں صدی کے ابتدائی حصے میں ملک کی خارجی تجارت

بڑھ رہی تھی اور نہ صرف تاجروں اور کاروباری آدمیوں کو بلکہ حکومت کو بھی بینک کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی، ان حالات میں یکم مئی ۱۸۰۶ء میں کلکتہ میں بینک آف بنگال کی بنیاد پڑی۔ ۲ جنوری ۱۸۰۹ء کو کمپنی نے اس کو منشور عطا کیا اور پچاس لاکھ سرمایہ مقرر ہوا، جو دس ہزار کے ۵۰۰ حصوں میں تقسیم کیا گیا، دس لاکھ سرکاری جانب سے مہیا کیا گیا اسی طرح کمپنی بھی بینک کی حصے دار بن گئی، باقی چالیس لاکھ حصے داروں سے وصول کیا گیا لیکن کسی شخص کو دس حصے سے زاید خریدنے کا حق نہ تھا، شرح سود بارہ فی صدی رکھی گئی بینک کو امانتیں رکھنے اور نوٹ چلانے کی اجازت دی گئی مگر یہ شرط لگا دی گئی کہ نوٹوں اور امانتوں کی مجموعی مقدار بینک کے اصل سے زیادہ نہ ہو، بینک کے انتظام اور نگرانی کے متعلق بہت سے اختیارات کمپنی نے اپنے لیے محفوظ کر لیے، ۱۸۲۳ء میں منشور کی تجدید ہوئی اور بینک کو اصل کے چوگنے حصے یعنی دو کروڑ کی حد تک نوٹ جاری کرنے کا اختیار دیا گیا۔ ۳۰-۱۸۲۹ء کے زمانۂ ابتری میں بینک کو تقریبًا دس لاکھ کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔

۱۸۴۰ء میں بینک آف بمبئی منشور کی رو سے ۵۲ لاکھ کے سرمائے سے قایم ہوا، اور کمپنی نے تین لاکھ کے حصے خود خرید لیے، ۱۸۶۶ء میں یہ بینک دیوالیہ ہو گیا، اس کی وجہ امریکی ریاستوں کی خانہ جنگی اور روئی کے قحط کی وجہ سے تخمین یا سٹے کا زور تھا، اسی سال بمبئی میں "نیو بینک آف بمبئی" قایم ہوا اور ۱۸۶۶ء میں اس کو منشور عطا ہوا اور ایک کرور سرمایہ مقرر ہوا، بعد میں اسی کا نام بدل کر بینک

آف بمبئی رکھا گیا۔

۱۸۴۳ء سے پہلے مدراس میں سرکار کا ایک چھوٹا سا بینک قایم تھا، مگر اس کا کاروبار اور اصل بہت کم تھا چنانچہ اس سال اس کی جگہ بینک آف مدراس قایم ہوا، کمپنی نے اس کو منشور عطا کرکے تیس لاکھ سرمایہ مقرر کیا، جس میں سے تین لاکھ کمپنی نے دیا۔ اگرچہ اس بینک کو ایسا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا جیسا کہ اس کے ہم عصر بینکوں کو پیش آچکے تھے مگر اس کی رفتار ترقی تیز نہ تھی، تاہم اس کی بنیاد پختہ اور مضبوط تھی۔

یوں تو تینوں بینک الگ الگ قایم ہوئے لیکن جب ۱۸۶۲ء میں حکومتِ ہند نے قانونِ زرِ کاغذی نافذ کیا تو ان بینکوں کی سرگذشت متحد نظر آنے لگی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اب تک بینکوں کو اپنے نوٹ جاری کرنے کا اختیار تھا مگر اب اس حق کو سرکار نے پورے طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بینکوں پر سے اُن پابندیوں اور قیود کو بھی اُٹھا لیا جو ان پر محض نوٹ جاری کرنے کی وجہ سے تھیں تاکہ ان کے منافع میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، نیز ان کو بعض مراعات بھی دی گئیں، مثلاً جہاں ان بینکوں کی شاخیں یا صدر دفتر ہوں وہاں سرکار کی نقد رقمیں ان کی تحویل میں رہا کریں گی، مگر جب ضرورت ہو فوراً ان کی ادائی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں بینک ان رقموں کو اپنے کاروبار میں نہیں لگا سکتے تھے، تاہم ان کی وجہ سے ان کے اعتبار میں اضافہ ہوتا تھا، سرکار اس رقم کا سود طلب نہیں کرتی تھی مگر بعض وقت بینک ان رقموں کو بروقت ادا نہ کر سکے

مثلاً ۱۸۶۳ء میں بینک آف بنگال اور ۱۸۶۸ء میں بینک آف بمبئی کو یہ صورتیں پیش آئیں چنانچہ ۱۸۷۶ء میں پریسیڈنسی بینکوں کا ایک نیا قانون جاری ہُوا اور سرکار نے کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں اپنے خزانے قایم کر دیے، بنکوں کے حصّے فروخت کر دیے گئے اور ان سے اپنی رقمیں واپس لے لیں، اس طرح بنکوں کے انتظام میں جو سرکاری عمل دخل باقی رہ گیا تھا اس کو بھی ختم کر دیا گیا، گویا اب ان کی نیم سرکاری حیثیت بھی ختم ہوگئی، تاہم حکومت اور عوام دونوں کی نظر میں یہ دوسرے بنکوں کے مقابلے میں قابلِ امتیاز تھے اور ان کو اب بھی بعض باتوں میں دوسرے بنکوں پر ترجیح تھی مثلاً حکومت کے قرضے کا انتظام، حکومت کی مخصوص قسم کی فاضل رقمیں محفوظ رکھنا وغیرہ ان ہی کے ذمّے تھا، حکومت ان کے حسابات کی جانچ کر کے ان کو ہفتے وار شایع کر دیا کرتی تھی۔

ان بنکوں کو بعض باتوں کی اجازت تھی اور بعض کی نہیں، مثلاً یہ مبادلات خارجہ میں حصّہ نہیں لے سکتے تھے صرف بینک آف مدراس کو لنکا کی حد تک اس ضابطے میں مستثنیٰ کیا گیا، ان کو باہر سے قرضہ لینے یا باہر اپنی شاخ قایم کرنے کی بھی ممانعت تھی، ان کے قرضوں کی مقدار، مدتِ قرضہ اور جن چیزوں کی ضمانت پر قرض دیا جا سکتا تھا، وہ سب بھی قانون کے تحت مقرر اور معیّن تھیں، دراصل ان پر چند قیود اس لیے بھی تھیں کہ کہیں خود کمپنی سے ان کا مقابلہ نہ ہو جائے کیونکہ اُس زمانے میں انگلستان اور ہندستان کے درمیان سارا لین دین کمپنی کے توسط سے ہوتا تھا، جہاں تک ان کے کاروبار

سا تعلق تھا ان کو امانتیں وصول کرنے، اپنے سرمائے کو حکومت، کارپوریشن، اور دیگر اداروں کے تمسکوں میں لگانے، ہندستان میں ادا ہونے والی ہنڈیوں پر بٹا کاٹنے اور سکارنے، پرامیسری نوٹوں اور تمسکوں کی ضمانت پر قرض دینے، سونے چاندی کا لین دین کرنے کی اجازت تھی۔ یہ اپنے صدر دفتروں میں حکومت کے قرضے کا انتظام کرسکتے تھے اور اکثر بلدیوں کے قرضے کا انتظام بھی ان ہی کے سپرد تھا۔

اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ان بینکوں کو خارجی لین دین میں کوئی دخل نہ تھا اور اندرونی کاروبار میں بھی چند پابندیاں تھیں، مگر ان کا نشا ان ہی بینکوں کی حفاظت اور امداد تھا، ابتدا میں ان کو نوٹ جاری کرنے کی اجازت رہی، ۱۸۷۶ء تک ان کو نیم سرکاری حیثیت حاصل رہی اور اس کے بعد بھی یہ سرکار کی امداد اور سرپرستی سے محروم نہیں رہے عموماً تینوں بینکوں کے صدر دفتروں میں سرکار کا ڈیڑھ پونے دو کروڑ بلا سودی روپیہ جمع رہا کرتا تھا، اور شاخوں کی رقم دو کروڑ کے لگ بھگ رہتی تھی، ان سب باتوں کی وجہ سے ان کا اعتبار بہت بڑھ گیا اور ان کی مالی حالت مضبوط ہوگئی، ذیل کے نقشے سے ان کے کاروبار کی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(لاکھ روپوں میں)

سال	اصل سرمایہ	ذخیرۂ محفوظ	کل امانتیں	نقد فاضلات	وسعت کاروبار	منافع فیصدی
بینک آف بنگال						
۱۸۹۵ء	۲۰۰	۶۸	۸۶۱	۴۲۲	۱۳۳	۱۰

سال	اصل سرمایہ	ذخیرہ محفوظ	کل امانتیں	نقد فاضلات	وسعت کاروبار	منافع فیصدی
۱۹۱۳ء	۲۰۰	۱۹۱	۲۱۲۵	۸۴۰	۳۰۹	۱۴
۱۹۲۰ء	۲۰۰	۲۱۰	۳۸۳۲	۱۲۲۱	۹۱۰	۱۹½

بینک آف بمبئی

سال	اصل سرمایہ	ذخیرہ محفوظ	کل امانتیں	نقد فاضلات	وسعت کاروبار	منافع فیصدی
۱۸۹۵ء	۱۰۰	۵۱	۴۳۴	۲۲۸	۱۰۵	۱۱
۱۹۱۳ء	۱۰۰	۱۰۶	۱۲۱۵	۴۷۷	۲۳۲	۱۴
۱۹۲۰ء	۱۰۰	۱۲۰	۳۰۹۷	۸۷۶	۲۹۸	۲۲

بینک آف مدراس

سال	اصل سرمایہ	ذخیرہ محفوظ	کل امانتیں	نقد فاضلات	وسعت کاروبار	منافع فیصدی
۱۸۹۵ء	۵۰	۱۶	۲۲۳	۱۴۴	۱۴۵	۱۰
۱۹۱۳ء	۷۵	۷۳	۸۹۱	۲۱۹	۱۷۷	۱۲
۱۹۲۰ء	۷۵	۴۵	۱۶۹۷	۵۰۵	۲۱۱	۱۸

ان اعداد پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ان بینکوں کے اصل میں بہت کم تبدیلی ہوئی مگر کاروبار کی وسعت ہمیشہ بڑھتی رہی ، اور امانتوں کی مقدار میں بھی اضافہ ہوا ، بالخصوص جنگ کے زمانے میں، جو اس بات کو ظاہر کرتا ہی کہ باوجود لڑائی کی بے اطمینانیوں اور بے بنیاد افواہوں کے عوام کو ان پر پورا پورا اعتماد تھا ، جنگ کے زمانے میں ان کے منافع کی شرح بھی بہت زیادہ رہی ، جو ان کی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہی۔

پانچواں باب

امپیریل بینک آف انڈیا

ہر ترقی یافتہ ملک میں بہت سے ایسے کام ہوتے ہیں جو حکومت اپنے مرکزی بینک کے توسط سے کرتی ہے، مگر ہندستان میں ایسے بینک کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام خود حکومت کو کرنا پڑتے تھے۔ مثلاً نوٹ جاری کرنا، کونسل بل اور ایورس کونسل بلوں کی ادائی، ہندستان میں رُپے اور انگلستان میں پونڈ کے قرضے کا انتظام، صوبہ داری حکومتوں، مقامی جماعتوں مثلاً بلدیوں، کارپوریشن، ضلع داری مجلسوں بندرگاہی جماعتوں کے قرضے کا انتظام، صنعتی کارخانوں اور زراعت وغیرہ کی امداد کے لیے قرض دینا، اُن سونے یا چاندی کے ذخیروں کا انتظام جو دوسرے ملکوں کی شرح مبادلہ کو برقرار رکھنے کے لیے رکھے جاتے ہیں، ان کاموں کے لیے ملک میں ایک مرکزی بینک کی ضرورت ہمیشہ محسوس ہوتی رہی، اس کی مفصل تاریخ تو اگلے باب میں بیان کی جائے گی، چنانچہ اسی سلسلے میں سنہ ۱۹۰۱ء میں یہ تجویز کی گئی کہ تینوں پریسیڈنسی بینکوں کو ملاکر ایک مرکزی بینک قایم کر دیا جائے مگر بینک اس پر رضامند نہ ہوئے۔ اس کے بعد سے مختلف کمیشن کمیٹیاں اور ملک کے سربرآوردہ لوگ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے رہے، چنانچہ جنگِ عظیم ختم ہونے کے بعد حکومت پر پھر زور ڈالا

گیا اور اس نے ان بنکوں سے متحد ہو جانے کے لیے کہا اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ اگر وہ اس پر رضامند نہ ہوں گے تو حکومت اپنا بینک الگ قایم کرے گی اور ان سے اپنی رقمیں واپس لے لے گی، تب مجبوراً ان بنکوں نے رضامندی کا اظہار کیا۔

ان بنکوں نے سرجیمس میسٹن Sir James Meston سے غیر رسمی گفتگو کے بعد حکومت کے سامنے اپنی ایک اسکیم پیش کی کہ وہ کن شرائط پر اتحاد کر سکتے ہیں، حکومت نے ان کی خاص خاص باتوں کو منظور کرنے کے بعد یکم مارچ سنہ۱۹۲۰ء کو سرمیلکم ہیلی کی جانب سے مجلسِ مقننہ میں امپیریل بینک آف انڈیا کا مسودہ پیش کرایا جو سلکٹ کمیٹی کے سپرد ہوکر ترمیم کے بعد ۵ ستمبر کو منظور ہوا، اور ۲۷ جنوری سنہ۱۹۲۱ء سے اس کا نفاذ ہوا۔

بینک کا سرمایہ ۱۱ کرور ۲۵ لاکھ روپیہ قرار پایا، اگرچہ تینوں بنکوں کا سرمایہ ۷ کروڑ تھا، باقی سرمایہ حصّوں سے حاصل کیا گیا۔ ہر حصّے کی قیمت ۵۰۰ روپے رکھی گئی، پریسیڈنسی بنکوں کے حصّے اس بینک کے حصوں میں تبدیل کر دیے گئے۔ عام نگرانی کے کام کے لیے ایک مرکزی بورڈ بنایا گیا، اس کے علاوہ کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں مقامی بورڈ بنائے گئے۔ مرکزی بورڈ کے ممبر حسب ذیل لوگ مقرر ہوئے۔

(۱) دو منیجنگ ڈایرکٹر جن کو گورنر جنرل مقرر کرے گا، مگر مرکزی بورڈ کو سفارش کرنے کا اختیار ہوگا۔

(۲) تینوں مقامی بورڈوں کے صدر، نائب صدر اور سکرٹری حصّےداروں

کے نمایندوں کی حیثیت سے شریک ہوں گے۔
(۳) حکومتِ ہند کا کنٹرولر آف کرنسی یا کوئی اور سرکاری عہدے دار
(۴) غیر سرکاری ممبر جن کو گورنر جنرل نامزد کرے گا نگران کی تعداد چار سے زاید نہ ہو گی۔

کنٹرولر آف کرنسی اور مقامی بورڈ کے سکرٹریوں کو جلسوں میں شریک ہونے کی اجازت تو تھی نگران کو رائے دینے کا حق نہ تھا، گورنر جنرل کو بینک کے تمام معاملات میں ہدایت دینے کا اختیار تھا، اور بینک کا فرض تھا کہ وہ اس پر عمل کرے، گویا امپیریل بینک جو پہلے ایک خانگی ادارے کی حیثیت رکھتا تھا اب نیم سرکاری ادارہ بن گیا، حکومت نے بینک کی ایک ایسی پالیسی مقرر کر دی جس سے ہٹنے کا اس کو اختیار نہ تھا، شرح سود بھی حکومت ہی نے مقرر کی، مرکزی بورڈ کو ہفتے وار حساب شائع کرنے کا ذمہ وار قرار دیا گیا۔ اس کو لندن میں ایک شاخ کھولنے کی اجازت بھی دی گئی، مگر اس شاخ کو وہاں کے عوام سے کاروبار کی اجازت نہ تھی، حکومت نے رُپے کی حد تک اپنا سارا کاروبار اسی کے سپرد کر دیا، مگر حکومت ہند کا اسٹرلنگ (پونڈ) کا کاروبار بدستور انگلستان بینک کے ذمے ہی رہا۔

بینک کے حسب ذیل فرائض قرار پائے۔
(۱) حکومتِ ہند اور برطانوی حکومت کے تمسک خریدنا، اُن ریلوں کے تمسک خریدنا یا ان کی دستاویزوں کو بطورِ ضمانت قبول کرنا جن کو سرکار امداد دیتی ہے، دستاویزوں اور مال کی ضمانت پر قرض دینا، مگر غیر منقولہ جایداد کی ضمانت پر قرض نہیں دیا جا سکتا۔

(۲) ہندستان اور لنکا میں ادا ہونے والی ہنڈیوں کو سکارنا یا ان پر بٹا کاٹنا۔

(۳) بیرونِ ملک کی صرف ان ہنڈیوں کا کاروبار کرنا جن کی منظوری گورنر جنرل سے حاصل کر لی ہو۔

(۴) اپنے گاہکوں کی ضرورتوں کے مدِنظر ہنڈیاں جاری کرنا۔

(۵) سونے اور چاندی کی خرید و فروخت۔

(۶) ہندستان میں قرضہ حاصل کرنا اور امانتیں رکھنا۔

(۷) اپنے اثاثوں کی بنا پر لندن میں قرض حاصل کرنا، مگر وہاں نہ عوام کو قرض دے سکتا ہے اور نہ ان کی امانتیں محفوظ رکھ سکتا ہے۔

(۸) بحیثیت ایک پبلک ادارے کے سرکاری رقمیں وصول کرنا اور ان کی ادائی کرنا۔

(۹) ایک خاص معاوضے پر سرکاری قرضے کا انتظام کرنا۔

(۱۰) وہ ملک میں کم سے کم سو شاخیں کھولے گا اور ہر پانچ شاخوں میں ایک شاخ کی جگہ کا انتخاب حکومت کی جانب سے ہوگا۔ ۱۹۲۱ء میں اس کی ۵۹ شاخیں تھیں۔ ۱۹۲۶ء میں وہ بڑھ کر ۱۰۱ ہوگئیں اور اب اس ملک میں ۱۷۳ شاخیں قایم ہیں۔

(۱۱) بینک عوام کو ایک مد سے دوسری مد میں روپیہ منتقل کرنے میں سہولت بہم پہنچائے گا۔

(۱۲) بینک اپنی ایک شاخ سے دوسری میں روپیہ منتقل کرنے میں بھی آسانیاں فراہم کرے گا۔ پہلے اس کام کے لیے بینک کی شرح چار آنے فی سیکڑہ تھی مگر اب ایک ہزار سے زاید رقم پر

یہ نرخ ایک آنہ سینکڑہ کر دیا گیا اور جب ۱۹۲۴ء میں بینکوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی رقمیں اِدھر اُدھر امپیریل بینک کے توسط سے روانہ کیا کریں تو یہ شرح نصف آنہ کر دی گئی۔

حکومت نے بینک سے یہ بھی وعدہ کیا کہ جہاں بینک کی شاخ ہوگی وہاں حکومت رُپے کی فراہمی کا کوئی کاروبار خود نہ کرے گی۔

چونکہ امپیریل بینک کو بہت کچھ سرکاری کام کرنے کا حق بھی دیا گیا تھا اس لیے اس پر چند پابندیاں بھی لگائی گئیں، مثلاً وہ بیرونی کاروبار میں کوئی حصہ نہ لے، کیونکہ اس میں زیادہ خطرے ہیں، دوسرے غیر منقولہ جایداد یا ان کی دستاویزوں کی ضمانت پر قرض نہ دے کیونکہ ان چیزوں میں رُپیہ پھنس جاتا ہے اور ضرورت کے وقت رُپے کا ملنا مشکل ہو جاتا ہے، البتہ ان دستاویزوں کو ذیلی حیثیت سے قبول کیا جا سکتا ہے بینک اپنے حصّوں کی ضمانت پر قرض نہیں دے سکتا۔ کسی کمپنی یا کسی شخص کو جو قرض دیا جائے گا وہ مُرتبہ قواعد کی حد سے زیادہ نہیں ہو سکتا چھ ماہ سے زاید عرصے کے لیے قرض نہیں دیا جا سکتا۔ شخصی قرضہ اُس وقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ دو مستند غیر جانب دار شخص ضمانت نہ دیں۔

ہندستانیوں کی جانب سے اس بینک پر ہمیشہ اعتراضات ہوتے رہے مثلاً نہ تو یہ پورا پورا سرکاری بینک ہے اور نہ ہندستانی، اس کے بورڈ میں زیادہ تر یورپین مفاد کی نمایندگی ہوتی ہے، اس وجہ سے ہندستان کے صنعتی و تجارتی کاروبار کے لیے اس کا قیام کچھ زیادہ مفید نہیں، دوسرے اس کی پالیسی وہی ہے جو پریسیڈنسی بینکوں کی

تھی ، اور جس طرح ان بنکوں کو ہندستانی مفاد، یہاں کے صناعوں اور تاجروں سے کوئی ہمدردی نہ تھی ، اسی طرح بنک کو بھی نہیں ہے ، اس کے بورڈ میں چار غیر سرکاری ہندستانی ممبر ہیں جن کی تعداد بالکل ناکافی ہے اور وہ ہندستانی مفاد کی حفاظت نہیں کرسکتے ، اصل میں یہ ایک خانگی بنک ہے مگر سرکاری رقمیں اس کے پاس رہنے اور دوسرے سرکاری کام کرنے کی وجہ سے اس کے کاروبار میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے اور اس طرح اس کو کافی نفع ہونے لگا ہے ، مگر اس منافع کا بہت کم حصّہ ہندستانیوں کو ملتا ہے ۔ اس نے اپنی شاخیں عام طور پر ان مقاموں میں کھولی ہیں جہاں پہلے سے دوسرے بنکوں کی شاخیں قایم تھیں ، جس کی وجہ سے ان شاخوں کو اس بنک کی شاخوں سے مقابلہ کرنے میں بڑی حد تک جدوجہد کرنا پڑتی ہے ۔ ان باتوں کے علاوہ یہ بنک ہندستانیوں کو بنکاری کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں کسی قسم کی سہولتیں بہم نہیں پہنچاتا ، اس کی وجہ سے ہندستانیوں میں بنکاری کی مہارت اور مشق پیدا نہیں ہوتی ۔

بہر حال ایک طرف تو اس بنک پر مختلف اعتراضات ہوتے رہے اور دوسری طرف مختلف کمیشنوں اور کمیٹیوں نے ایک نئے مرکزی بنک کے قیام کی سفارش کی ، چنانچہ ۱۹۳۵ء میں ریزرو بنک قایم ہوگیا ، اور اب امپیریل بنک کی وہ حیثیت باقی نہ رہی لہذا اس کے قانون میں بھی ترمیم کی گئی ، نئے قانون کی رو سے مرکزی بورڈ میں تبدیلی کردی گئی ، اس کے علاوہ اب یہ بنک پہلے کی طرح حکومت کا کاروبار نہیں کرے گا ، لیکن ریزرو بنک کے ایجنٹ کی حیثیت سے وہ حکومت کے

چھٹا باب

مرکزی بینک کا مفہوم اور ہندستان میں اس کی ضرورت

آج کل ہر ترقی یافتہ ملک میں مرکزی بینک کا وجود ناگزیر سمجھا جاتا ہے، اس سے مراد "ایک ایسا ملکی ادارہ ہے جو زر اور قرضے کی مقدار رسد کو اپنے قابو میں رکھے، تاکہ ایک طرف تو زر کی قدر قایم رہے یعنی چیزوں کی قیمتوں میں بار بار زیادہ تبدیلی نہ ہو اور دوسری طرف وہ سیاسی اثرات سے پاک ہو، اور تیسری طرف صرف نفع کمانے کی خواہش سے آزاد ہو، تاکہ نہ تو وہ اپنے غیر معمولی اقتدار سے کسی سیاسی جماعت کو فایدہ پہنچا سکے اور نہ وہ اس اختیار سے بے جا فایدہ اُٹھاکر اپنے حصے داروں کے منافع میں اضافہ کر سکے"

گویا مرکزی بینک کا خاص کام زر کی قدر میں استحکام پیدا کرنا ہے تاکہ چیزوں کی قیمتوں میں جلدی جلدی کمی وبیشی نہ ہونے پائے، کیونکہ قیمتوں کے یہ تغیرات ملک کی تجارت اور کاروبار کے لیے مفید نہیں ہوتے، مگر کوئی ادارہ یہ اہم فرض اس وقت تک انجام نہیں دے سکتا، جب تک کہ اس کو چند اختیارات حاصل نہ ہوں مثلاً نوٹ جاری کرنا، دوسرے بینکوں کے ذخیرے اپنے پاس محفوظ رکھ کر ان بینکوں پر اپنی نگرانی رکھنا تمسکوں کی خرید و فروخت اور ہنڈیوں پر بٹا کاٹنے کا حق۔ پہلی دونوں چیزوں کا اجارہ حاصل ہوتا ہے اور بعد کی دونوں چیزوں کا کاروبار

بعض کام انجام دیا کرے گا، اس کی لندن کی شاخ پر جو امانتیں رکھنے اور قرض دینے کی پابندی تھی وہ اٹھالی گئی، بینک کو ہندستان اور بیرونی ملکوں میں بغیر اجازت اپنی شاخیں قایم کرنے کا اختیار دیا گیا، نیز بینک کو اپنے سرمایے میں اضافہ کرنے، بیرونی ملکوں کے بل خریدنے، قرضہ حاصل کرنے، جایداد غیر منقولہ پر قرض دینے اور ریزو بینک کے حصّوں پر قرض دینے کی بھی اجازت مل گئی۔ قرضے کی مدّت چھو ماہ سے بڑھا کر نو ماہ کر دی گئی۔ اب گورنر جنرل کو بینک کی پالیسی میں مداخلت کا اختیار باقی نہ رہا۔

مگر بینک کو پوری آزادی اب بھی نہ ملی اور اس قانون کے باوجود چند پابندیاں عاید رہیں، مثلاً مقدار قرضہ، قرضے کی مدت وغیرہ کا تعین کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی چونکہ وہ ریزو بینک کا سول ایجنٹ ہی اور حکومت کی نقد رقمیں رکھتا ہی، لہٰذا اس کو خطرناک کاموں سے روکنا ضروری ہی۔ بہرحال امپیریل بینک، ریزو بینک کے بعد ہندوستان کا دوسرا اہم بینک ہی، یہ ہر ہفتے اپنے حسابات شایع کرتا ہی، چنانچہ ایک ہفتے کے حسابات کی مختصر تفصیل دوسرے ضمیمے میں شامل کی گئی ہی۔

کھلے بازار میں ہوتا ہے، جہاں دوسرے بینک بھی اس کے حریف ہوتے ہیں
مرکزی بینک کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ ان حقوق اور اختیارات کو
اس طرح استعمال کرے کہ اس کے وجود کا حقیقی مقصد پورا ہو جائے،
یعنی ملک کا زر اندرونی اور بیرونی حالات سے متاثر نہ ہو، بینک اپنے
پہلے اختیار کی بدولت زر کی مقدار میں حسب ضرورت کمی یا زیادتی کر سکتا
ہے، لیکن دوسرے بینک بھی اپنی اپنی آسامیوں کو قرض دے کر یا قرض
دی ہوئی رقمیں واپس لے کر مقدارِ زر میں اضافہ یا تخفیف کر دیتے ہیں،
اس لیے یہ لازمی ہوا کہ یہ بینک آزاد نہ رہیں اور بینکاری کا سارا انتظام ایک
مرکز پر آجائے، اس لیے دوسرے بینکوں کو اپنے محفوظ ذخیروں کا کچھ حصہ
مرکزی بینک کے یہاں بلاسود امانت رکھنا پڑتا ہے، اس طرح ہر بینک کی جداجدا اور
بے تعلق جد و جہد میں ایک طرح کا ربط پیدا ہو جاتا ہے، اور مرکزی بینک جو
بینکوں کا بینک یا صدر بینک ہوتا ہے مختلف بینکوں کے کاروبار کو ملک کے
مشترکہ مفاد کے خلاف جانے سے روک سکتا ہے، اور اس طرح ملک کی ایک اہم خدمت انجام دیتا ہے۔

چونکہ مرکزی بینک کی ذمے داریاں اہم اور اختیارات غیر معمولی
ہوتے ہیں اس لیے اس پر چند پابندیاں بھی لگائی جاتی ہیں، یعنی
حکومت کے عہدے داروں اور مجلسِ قانون ساز کے ممبروں دونوں
کو اس بینک کے انتظامات سے بے دخل رکھا جاتا ہے، آج کل اکثر
ملکوں میں حکومتیں بدلتی رہتی ہیں۔ کبھی ایک جماعت برسرِ اقتدار ہوتی
ہے اور کبھی اس کی حریف جماعت حکومت پر قبضہ کر لیتی ہے، آج جو جماعت
حکومت کی مخالف بنچوں پر بیٹھتی ہے کل حکومت کی باگ ڈور اسی کے
ہاتھ میں ہوتی ہے، اب اگر مرکزی بینک بھی جماعت بندیوں کا شکار

ہوجائے تو اس کا سارا کاروبار ہی پٹ ہوجائے، دوسرے چونکہ اس بینک کا کام نفع کمانا نہیں ہوتا اس لیے یہ اپنے حصّے داروں کو ایک خاص مقررٗ شرح سے زاید منافع تقسیم نہیں کرسکتا، اور اسی وجہ سے وہ امانتوں پر سود ادا نہیں کرتا، کیونکہ اس کا منافع کم ہوتا ہے، تیسرے بینک کے ناظموں کی مجلس میں کسی خاص طبقے کی نمایندگی ممنوع قرار دی جاتی ہے اور چوتھے نہ صرف بینک کی مجلس انتظامیہ کی رکنیت، حقِ راے دہی، بلکہ اس کے حصّوں کی خریدبھی صرف ملکیوں کے لیے مخصوص ہوتی ہے تاکہ بینک ہر قسم کے بیرونی اثرات اور خارجی اقتدار سے محفوظ رہے۔

ہندستان کے پُرانے نظامِ زر میں ایک سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ زر کا انتظام اور قرضے کالین دین دو حصّوں میں بٹا ہوا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ قرضے کا کاروبار کرنے والا کوئی منظّم ادارہ موجود ہی نہ تھا، حالانکہ اصولی طور پر یہ دونوں شعبے ایک ہی ادارے کے ماتحت ہونا چاہیے تھے، اب تک ملک میں جو طریقہ رائج تھا اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ زر مہیا کرنا اور اس کی رسد کو قابو میں رکھنا تو حکومت کے فرائض میں داخل تھا، مگر کہا جاتا ہے کہ بسا اوقات حکومت نے کامل غیر جانب داری سے اس فرض کو انجام نہیں دیا بلکہ زر کے انتظام کے سلسلے میں اپنے مالی اغراض کو بھی پیشِ نظر رکھا، حکومت اپنے مالی حالات کو دیکھتے ہوئے زر کی مقدار میں کمی بیشی کیا کرتی تھی، مگر کاروبار اور تجارت کے لیے یہ اصول مفید نہیں، دراصل زر اور بینک کے معاملات خالص تجارتی نوعیت کے ہیں، اور ان کا ایک ایسے ادارے کے زیرِ اقتدار رہنا جو سیاسی اُلجھنوں میں گھرا رہتا ہو کسی طرح مناسب

نہیں ہوسکتا، نیز جو ادارہ زر کا انتظام کرے، اسی کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک کے اندر قرضے کا لین دین بھی کرے اور شرح سود کو بھی اپنے قابو میں رکھے لیکن حکومتِ ہند زر کا انتظام تو کرتی تھی مگر اپنے دوسرے فرض سے بالکل غافل تھی جس کی وجہ سے ملک کے تجارتی طبقوں اور عوام کو یہ شکایت پیدا ہوگئی کہ ایک خالص معاشی اور تجارتی معاملے میں سیاسی ریشہ دوانیوں کے اثر کا کیا سبب ہے؟ اور اسی وجہ سے ان کا اصرار تھا کہ ملک میں ایک ایسا ادارہ قایم کیا جائے جو مرکزی بینک کے فرائض انجام دے سکے۔

ہندستان میں مرکزی بینک کے قیام کی کوشش بہت پرانی چیز ہے، لیکن جنگِ عظیم کے بعد جب قومی بیداری میں اضافہ ہوا اور بہت سے نئے نئے مسئلے پیدا ہوئے تو مرکزی بینک کے سوال نے بھی اہمیت اختیار کرلی اور بالخصوص یہی وہ زمانہ تھا جب مختلف برطانوی نوآبادیوں مثلاً آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ نے اپنے ہاں مرکزی بینک قایم کیے چنانچہ اسی زمانے میں حکومت نے پریسیڈنسی بینکوں کو ملاکر امپیریل بینک قایم کردیا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب امپیریل بینک قایم ہوچکا تھا تو پھر ایک نئے بینک کی ضرورت کیوں باقی رہ جاتی ہے؟ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ حکومت اسی کو مرکزی بینک کی حیثیت دینا چاہتی تھی، مگر ہندستانیوں کو اس پر مختلف اعتراض تھے پہلے یہ کہ امپیریل بینک اصل میں ایک خانگی بینک ہے جس کا مقصد اپنے حصے داروں کو زیادہ سے زیادہ منافع بہم پہنچانا ہے اور ایک خانگی بینک کو مرکزی بینک کے فوائد سے استفادہ کرنے دینا اصولاً جائز نہیں، دوسرے اس کو شاخیں

کھولنے کا حق ہے اس طرح اس کی حیثیت تجارتی بینک کی سی ہوجاتی ہے اور تجارتی بینک کو اس قسم کی رعایتوں سے فائدہ اُٹھانے کا حق دینا کسی طرح مناسب نہیں، تیسرے اس کو ۱۹۲۰ء کے قانون کے تحت بعض خاص رعایتیں حاصل ہیں اور اس وجہ سے دوسرے بینکوں کو اس سے مقابلہ کرنے میں دشواری پیدا ہوجاتی ہے، اب اگر اسی کو مرکزی بینک میں تبدیل کر دیا گیا تو اس کی ساکھ اور اعتبار میں اضافہ ہوجائے گا، اور دوسرے بینکوں کو اس سے مسابقت کرنے میں مزید دشواریاں پیدا ہوجائیں گی۔ یہ دشواریاں ملک کے عام نظام بینکاری کے مفاد کے خلاف ہوں گی، چوتھا اعتراض یہ تھا کہ اگر اس کو مرکزی بینک بنا دیا گیا تو اس کے منشور میں ایسی تبدیلیاں کرنا پڑیں گی کہ وہ موجودہ تجارتی کام یا اغراض جو وہ انجام دے رہا ہے پوری نہ کرسکے گا، اس آخری اعتراض سے ہلٹن ینگ کمیشن نے بھی اتفاق کیا اور بتایا کہ ۱۹۲۰ء کے بعد سے امپیریل ملک کی صنعتی جد وجہد میں کافی حصہ لے رہا ہے اس لیے اس کو اس کام سے روکنا مناسب نہیں، بلکہ اس پر جو چند پابندیاں ہیں وہ بھی ہٹالی جائیں تاکہ وہ پوری آزادی سے کاروبار کرسکے اور ملک میں بینکاری کی مزید آسانیاں بہم پہنچا سکے۔ کمیشن نے ایک علیحدہ مرکزی بینک قایم کرنے کی سفارش کی اور امپیریل بینک کو اس کے ایجنٹ کے طور پر کام کرنے کی تجویز پیش کی تھی، بہرحال ان اسباب کی بنا پر امپیریل قایم ہوجانے کے بعد بھی مرکزی بینک کا مسئلہ زیر بحث اور زیر غور آتا رہا۔

ساتواں باب

ہندستان کے مرکزی بینک کی تاریخ

ہندستان میں مرکزی بینک کے قیام کا سوال کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ بہت پرانی چیز ہے اور بڑے عرصے سے اس کی جدوجہد ہورہی تھی۔ ذیل میں اس کی پوری تاریخ مختصر طور پر پیش کی جاتی ہے۔

۱۷۷۳ء میں گورنر جنرل وارن ہیٹنگز نے "جنرل بینک آف بنگال و بہار" کی ایک تجویز پیش کی، اس بینک کے سپرد اکثر وہی کام کیے گئے جو آج کل مرکزی بینک کرتا ہے، اس تجویز کو حکومت نے منظور کرلیا اور بینک قایم ہوگیا، اس نے کئی ضلعوں میں اپنی شاخیں بھی کھولیں مگر مقامی عہدے داروں اور کمپنی کے ناظموں نے اس کی کچھ ہمت افزائی نہ کی اور یہ بینک بہت جلد ختم ہوگیا۔

دوسری اسکیم ۱۸۰۸ء میں جنرل بینک کے متعلق رابرٹ کاڑڈ نے پیش کی، ان کی رائے تھی کہ ملک میں ایک جنرل بینک قایم کیا جائے جو نہ خانگی ہو اور نہ سرکاری بلکہ دونوں کے بین بین ہو، اس کو نوٹ جاری کرنے کا بھی اختیار دیا جائے اور یہ ملک میں اپنی شاخیں بھی کھول سکے، مگر کمپنی کے ناظموں نے اس اسکیم کو مسترد کردیا۔

۱۸۶۲ء میں جب پریسیڈنسی بینکوں سے نوٹ جاری کرنے کا اختیار لے لیا گیا تو پھر یہ سوال پیدا ہوا اور مسٹر جی ڈکسن

(G. Diskeon) نے جو بنک آف بنگال کے سکریٹری تھے، تینوں بنکوں کو ملا کر ایک مرکزی بنک بنانے کی تجویز پیش کی مگر بنک آف بمبئی کی عدم رضامندی کی وجہ سے یہ تجویز پوری نہ ہو سکی۔ ۱۸۷۱ء میں مسٹر ایلس ممبر کونسل نے اسٹیٹ بنک کے قیام کی ایک تجویز پیش کی، مگر حکومت کا خیال تھا کہ ہندستان میں ایسے بنک کا قیام ناممکن ہے، چنانچہ اس نے صرف پریذیڈنسی بنکوں کے دستور میں تھوڑی بہت تبدیلی کر کے اس تجویز کو ختم کر دیا۔

۱۸۹۸ء میں فاولر کمیٹی کے سامنے متعدد گواہوں نے مرکزی بنک کے قیام کی مختلف تجویزیں پیش کیں، اسی سلسلے میں آلفرڈ راتھ چائلڈ کی ایک اسکیم بھی تھی، جنھوں نے تینوں بنکوں کو ملا کر ایک بنک قائم کرنے کی رائے دی، ان کے پیشِ نظر انگلستان بنک کا دستور تھا، انھوں نے ہندستانی بنک کا سرمایہ ایک کرور چالیس لاکھ پونڈ رکھا اور بنک کو نوٹ جاری کرنے کا حق دیا، اور یہ تجویز کی کہ نوٹ پر روپیہ اور اسٹرلنگ دونوں رقمیں درج ہوں گی اور ایک پونڈ پندرہ روپے کے مساوی ہوگا، حکومت اس کی شاخوں کو بطورِ خزانہ استعمال کر سکے گی، خود فاولر کمیٹی کے ایک ممبر نے ایک اختلافی نوٹ کی صورت میں مرکزی بنک کے قیام کی سفارش کی، مگر ان میں سے کوئی تجویز کامیاب نہ ہو سکی۔

۱۹۰۱ء میں سر ایڈورڈ لا (Sir Edward Law) نے جو اس وقت فنانس ممبر تھے پریذیڈنسی بنکوں کے ناظموں، منیجروں اور دیگر نمایندوں سے مل کر اپنی ایک یادداشت تیار کی، چونکہ یہ مالیہ کے ممبر تھے اس لیے ان کے پیشِ نظر مرکزی بنک کے قیام کے ساتھ

ہی ساتھ اس کے اخراجات کا بھی سوال تھا، اُنھوں نے بتایا کہ ملک میں ایسا بینک قایم ہو سکتا ہی بشرطے کہ اس کے اخراجات زیادہ نہ ہوں مگر انھوں نے اخراجات کا جو تخمینہ لگایا تھا وہ بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ حکومت نے وعدہ کیا کہ وہ اس مسئلے پر غور کرے گی، مگر بعد میں حکومت کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی، لارڈ کرزن بھی مرکزی بینک کے قیام کے بڑے حامی تھے مگر چونکہ اس وقت پریسیڈنسی بینک اتحاد کے قایل نہ تھے اس وجہ سے یہ بھی کچھ نہ کر سکے۔

بہرحال اس زمانے میں برابر ملک میں مرکزی بینک کے قیام پر بڑا شور و شغب ہوتا رہا اور جب ۱۹۱۳ء میں چیمبرلین کمیشن مقرر ہوا تو انگلستان کے مشہور ماہر معاشیات مسٹر جے، ایم کینس J. M. Keynes نے مسٹر کیبل Mr. Cable کے اشتراک سے ایک تفصیلی اسکیم تیار کر کے کمیشن کے سامنے پیش کی، جس میں بینک کے فرائض اور طریق کار کی پوری پوری تشریح کی گئی تھی، اسی وقت کمیشن نے ایک اور نوٹ سر لینیل ابراہام Sir Lionel Abraham سے تیار کرایا اور ان دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے کمیشن نے سفارش کی کہ ملک میں ماہروں کی ایک چھوٹی سی کمیٹی مقرر کر کے اس معاملے کی تحقیق کرائی جائے اور اسٹیٹ بینک یا مرکزی بینک کے قیام پر غور کیا جائے، مگر کمیشن کی اس سفارش پر جنگ شروع ہو جانے کی وجہ سے کوئی کام نہ ہو سکا۔

۱۹۱۹ء میں ہندستانی اخباروں اور قانون ساز جماعت کے ممبروں نے پھر یہ سوال اٹھایا چنانچہ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء کو راؤ بہادر سر بی، این شرما Sir B. N. Sharma نے لیجسلیٹو کونسل

میں ایک ریزولیشن پیش کیا کہ ملک میں ایک اسٹیٹ بینک قایم کیا جائے
جو مسٹر کینس کی رپورٹ پر مبنی ہو، اس کے کچھ دنوں بعد جنگ ختم ہو گئی
اور حکومت نے رائے عامہ کے رجحان کو دیکھتے ہوئے تینوں پریسیڈنسی
بینکوں کو اتحاد پر راضی کر کے امپیریل بینک قایم کر دیا۔ مگر مرکزی بینک
کا مسئلہ اب بھی ختم نہ ہوا، ایک طرف عوام اور ہندستانی معاشین امپیریل
بینک کے خلاف تھے، دوسری طرف ۱۹۲۶ء میں ہلٹن ینگ کمیشن نے
ایک نیا مرکزی بینک قایم کرنے کی رائے دی اور نئے بینک کا خاکہ
تک تیار کر دیا۔

بہرحال ان وجوہ کی بنا پر حکومت کو مرکزی بینک کے قیام کی ذمے
داری قبول کرنی پڑی اور ۲۵ جنوری ۱۹۲۷ء کو رزو بینک کے قانون
کا پہلا مسودہ مجلس مقننہ میں پیش کیا گیا، اس میں اور کمیشن کی مجوزہ تجویزوں
میں اختلاف تھا، اسمبلی نے مسودہ سلکٹ کمیٹی کے سپرد کیا، یہاں بڑی
اختلافی صورتیں پیدا ہوئیں۔ شاید ہی کوئی دفعہ ایسی ہو جس میں کچھ نہ
کچھ ترمیم نہ کی گئی ہو، مگر سب سے بڑے اختلاف دو تھے۔ ایک تو یہ
کہ آیا یہ حصے داروں کا بینک ہو یا حکومت کا، اور دوسرے بورڈ
کو حکومت نامزد کرے یا حصے دار انتخاب کریں۔ اصولاً یہ حصے داروں
کا بینک ہونا چاہیے کیونکہ حکومت کا بینک ہونے میں اس کی حیثیت
سرکاری محکمے کی ہو جاتی ہے اور عوام کو اس پر اعتماد نہیں رہتا، نیز
پھر وہی پرانی شکایت باقی رہتی ہے کہ حکومت مفادِ عامہ کی بجائے
اپنے مفاد کو زیادہ پیشِ نظر رکھتی ہے۔

دوسری چیز یہ تھی کہ کونسلوں اور اسمبلیوں کے ممبروں کو بورڈ

یں نہ رکھا جائے کیونکہ اس طرح کونسل یا اسمبلی میں جو پارٹی برسرِ اقتدار ہوگی وہ اپنی پالیسی کو کامیاب بنانے کی کوشش کرے گی اور اس طرح بینک کی پالیسی میں مسلسل یکسانیت باقی نہ رہے گی اور جب بینک کے تمام مسئلے کونسل کے سامنے پیش ہوا کریں گے تو کونسلوں کا کام بھی بڑھ جائے گا ایک اور خطرہ بھی تھا کہ کہیں سرمایہ دار اور بالخصوص غیر ملکی لوگ اس کے حصے دار بن کر اس کی پالیسی پر قابض نہ ہو جائیں، اس خطرے کو دور کرنے کے لیے دو طریقے اختیار کیے گئے، ایک تو یہ کہ حصے ہندستان میں رہنے والوں کے لیے مخصوص کر دیے جائیں اور دوسرے چھوٹے حصے والوں کو ترجیح دی جائے، بہرحال بڑی بحث کے بعد سلکٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ پیش کی اور بتایا کہ یہ حکومت کا بینک ہونا چاہیے اور چونکہ اس کا سرمایہ زیادہ نہیں ہے لہذا حکومت یہ بار آسانی سے برداشت کر سکتی ہے. مرکزی بورڈ کے پندرہ ممبر مقرر کرنے کی سفارش کی گئی، جس میں گورنر اور سرکاری عہدے دار زر کو گورنر جنرل نامزد کیا کرے گا، مرکزی اسمبلی اور صوبے واری کونسلوں سے تین تین منتخبہ ممبر، چیمبر آف کامرس، اور فیڈریشن آف انڈین چیمبر کے دو دو ممبر، امدادِ باہمی بینک کا ایک نمائندہ، اور گورنر جنرل کے نامزد شدہ دو ممبر ہوں گے. کمیٹی کی اقلیت والی رپورٹ الگ تھی، سر بیسل بلیکٹ Sir Basil Blakett نے اکثریت والی رپورٹ کی مخالفت کی اور مرکزی بورڈ کے ممبروں میں ترمیم کر دی، نیز ہندستانی اور یوروپین نمائندگی کو الگ الگ برقرار رکھا پھر بھی بینک کے حصوں اور بعض دوسری باتوں میں اختلاف

قایم رہا اور اس مسودے کے پاس کرانے کا خیال ترک کر دیا گیا۔

کچھ دنوں کے بعد ۱۴ر جنوری ۱۹۲۸ء کو حکومت نے بڑے غور و خوض کے بعد "گولڈ اسٹینڈرڈ اینڈ ریزو بینک" کے نام سے ایک دوسرا بل پیش کیا، اس میں پہلے مسودے کی بعض اختلافی صورتوں میں ترمیم کر دی گئی، مثلاً حصّہ پانسو کی بجائے سو روپے کا کر دیا گیا، کسی شخص یا کمپنی کو بیس ہزار سے زیادہ حصّے خریدنے کی اجازت نہ دی گئی، بورڈ کے ممبروں کی تعداد ۲۴ کر دی گئی، حصّے داروں کو نمایندوں کو ناظموں کو منتخب کرنے کا حق دیا، انتخاب کی مدت پانچ سال رکھی گئی، کوئی حصّے دار ایک سے زیادہ ووٹ نہیں دے سکتا، ناظم صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے پہلے کبھی کسی بینک یا کارپوریشن میں کام کیا ہو، مجلسِ قانون ساز کے ممبر اور حکومت کے ملازم اس کے ناظم نہیں ہو سکتے، یہ مسودہ ایجنڈے میں شامل تھا مگر اسمبلی کے صدر نے اس کو پیش کرنے کی اجازت اس لیے نہ دی کہ ابھی تک ریزرو بینک کا پہلا مسودہ اسمبلی میں پیش تھا، اب حکومت کے سامنے دو چیزیں تھیں یا تو وہ پہلے مسودے کو ترمیموں کے ساتھ پیش کرے یا اس وقت تک انتظار کرے جب اس کی مدت ختم ہو جائے، چنانچہ حکومت نے پھر پہلے مسودے کو بہت سی ترمیموں کے ساتھ پیش کیا، مگر اختلافات اب بھی کم نہ ہوئے اور یہ مسودہ یوں ہی رہ گیا۔

۱۹۲۹ء میں بینکنگ انکوائری کمیٹیوں کا تقرر عمل میں آیا اس کی مرکزی کمیٹی نے پھر مرکزی بینک کے قیام کی سفارش

کی ، اور بتایا کہ اس کا سرمایہ حکومت کو فراہم کرنا چاہیے اور یہ ہندوستانی انتظام کے تحت ہو مگر سیاسی اثرات سے آزاد ہو، کمیٹی نے ۱۹۲۷ء کے ریزرو بینک والے مسودے کا بھی مطالبہ کیا اور اس میں کچھ تبدیلیاں کیں مثلاً بینک کو منقولہ سامان اور مال واسباب کی ضمانت پر قرض دینا چاہیے زرعی ہنڈیوں کی مدت چھ ماہ کی بجائے نو مہینے ہونا چاہیے۔ وہ دیسی ریاستوں کا ایجنٹ بھی ہو، اور ہندوستان کے دیسی بینکاروں کو اس سے وابستہ کرنے کی کوشش ہونا چاہیے۔ ہنڈیوں کے رواج کو ترقی دینے کے لیے کمیٹی نے سفارش کی کہ ملک کے مختلف حصوں میں ایسے مال گودام بنوائے جائیں جہاں کاشتکار اپنا غلہ محفوظ رکھا کریں، اور بینک ان گوداموں کی رسیدوں پر قرض دیا کرے، نیز کم مدت والی ہنڈیوں پر سے ٹکٹ بھی اٹھا لیا جائے۔

جب ۱۹۳۰ء-۳۱ء میں ہندستان کے نئے دستور پر بحث و مباحثہ کرنے کے لیے پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی تو یہ سوال پیدا ہوا کہ حکومت ہند کے ذخیرۂ معیارِ طلا اور ذخیرۂ زرِ کاغذی کو مرکزی بینک کے سپرد کیا جائے، اسی وجہ سے ریزرو بینک کا معاملہ "فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی" کے سپرد ہوا، جس نے سفارش کی کہ ہندوستان میں ریزرو بینک مستحکم بنیادوں پر قایم کیا جائے اور حکومت کے دونوں ذخیرے اس کے سپرد کیے جائیں، اور یہ سیاسی اثرات سے آزاد ہو، گول میز کانفرنس کے تیسرے اجلاس منعقدہ ۱۹۳۲ء میں یہ معاملہ فنانشیل سیف گارڈ کمیٹی" کے سپرد ہوا، اس نے بھی ریزرو بینک کے قیام کی سفارش کی اور بتایا کہ اس کو نئے دستور سے پہلے قایم ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ

۱۹۳۳ء میں جب "سفید کاغذ" شایع ہوا تو یہ شرط لگا دی گئی کہ مالی ذمّے داری اس وقت تک مرکزی حکومت کے حوالے نہیں کی جاسکتی جب تک ریزرو بینک قایم نہ ہوجائے۔ گویا اس طرح حکومتِ ہند بینک قایم کرنے پر مجبور کردی گئی، اور وہ پُرانا مسئلہ جو ۷۳ء میں وارن ہیسٹینگز نے اٹھایا تھا اور جس میں اُس وقت سے لے کر اب تک ہندستانی اور غیر ہندستانی لوگوں نے پورا پورا زور لگایا تھا، اس میں ان دونوں کمیٹیوں نے دوبارہ جان ڈال کر زندہ کردیا، چنانچہ ریزرو بینک کا تیسرا مسودہ ۸ ستمبر ۳۳ء کو اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ اس میں لندن کی دونوں کمیٹیوں کی سفارش کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا، حسبِ دستور یہ مسودہ سلکٹ کمیٹی کے سپرد ہوا، جہاں اُس میں بہت سی ترمیمیں ہوئیں۔ آخر کار بڑی ردّ و قدح کے بعد دسمبر ۳۳ء میں اس کو اسمبلی نے پاس کیا اور مارچ ۳۴ء میں گورنر جنرل کی منظوری کے بعد اس نے قانون کی شکل اختیار کرلی، دسمبر ۳۴ء میں گورنر جنرل نے بینک کے گورنر اور ڈپٹی گورنروں کا تقرر کیا، جنھوں نے بینک کا ابتدائی کام شروع کردیا اور یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو "ریزرو بینک آف انڈیا" قایم ہوگیا۔

آٹھواں باب

ریزو بینک

ریزو بینک کا قانون ہندستان کی بینکاری میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس قانون کو دوسرے ملکوں کے بینکوں کے حالات اور تجربوں سے فایدہ اٹھاکر ملک کے مفاد کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ یہ قانون چار حصوں میں تقسیم ہے اور ۶۱ دفعات ہیں۔

پہلے باب میں تعریفیں ہیں، دوسرے میں سرمایہ، حصوں اور انتظامی معاملوں کا ذکر ہے، تیسرا فرائض سے متعلق ہے، چوتھے میں ریزو فنڈ، تنقیح اور زرعی قرضے وغیرہ کا ذکر ہے، قانون کے آخر میں پانچ جدولیں ہیں، پہلی میں پانچوں رقبوں کی تفصیل، دوسری میں متعلقہ بینکوں کی فہرست، تیسری میں امپیریل بینک اور ریزو بینک کے معاہدے کا ذکر، چوتھی میں زاید منافع کی تقسیم کا اصول اور پانچویں میں ہفتہ واری حساب اور حسابی تختوں کا ذکر ہے، اس قانون کی چند اہم دفعات کا خلاصہ اور بینک کا عام نظام حسب ذیل ہے:-

(۱) بینک کا نام "ریزو بینک آف انڈیا" ہے، یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ ملک میں پہلے سے بینک آف ہندستان، سنٹرل بینک آف انڈیا اور امپیریل بینک آف انڈیا وغیرہ ناموں کے بینک قایم

ہو چکے تھے ۔

(۲) اس کا سرمایہ ۵ کروڑ ہے، جو سو سو روپیوں کے حصوں میں تقسیم ہے۔

(۳) حصے داروں کے پانچ علیحدہ علیحدہ رجسٹر بمبئی، کلکتہ، دہلی، مدراس اور رنگون میں ہیں۔

(۴) کل سرمائے کو حسب ذیل طریقے پر ان پانچ حلقوں میں تقسیم کیا گیا تھا، مگر حصوں کے رد و بدل سے اب اس کی تقسیم یہ ہو گئی ہے۔

	یکم اپریل ۱۹۳۵ء	۳۰ جون ۱۹۴۰ء
بمبئی	ایک کروڑ ۴۰ لاکھ	۲,۱۰,۵۱۵
کلکتہ	ایک کروڑ ۴۵ لاکھ	۱,۱۹,۶۷۱
دہلی	ایک کروڑ ۱۵ لاکھ	۹۱,۰۶۳
مدراس	۷۰ لاکھ	۶۰,۲۴۹
رنگون	۳۰ لاکھ	۱۸,۵۰۲
میزان	۵ کروڑ	۵ کروڑ

۱۹۳۵ء میں حصے داروں کی کل تعداد ۹۲,۰۴۷ تھی اور ۱۹۴۰ء میں ۵۶,۰۵۷ ہو گئی

(۵) ہر شخص جس حلقے میں رہتا ہے اسی حلقے کے رجسٹر میں اپنا حصہ خرید سکتا ہے، کوئی شخص ایک سے زاید رجسٹر میں نام نہیں لکھوا سکتا۔

(۶) حسب ذیل لوگ اور کمپنیاں اس کے حصے خرید سکتی ہیں۔

الف ۔ ہندستان یا کسی دیسی ریاست کا باشندہ ہو، برطانوی رعایا میں سے ہو، یا کسی ایسی برطانوی نوآبادی کا باشندہ ہو جو ہندستانیوں کے خلاف نہ ہو۔

ب - وہ کمپنیاں جن کی رجسٹری ہندستان کے قانون کمپنی ۱۹۱۳ء کے تحت ہوئی ہے اور وہ انجمنیں جن کی رجسٹری قانون امداد باہمی ۱۹۱۲ء کے تحت ہوئی ہو۔

ج - کوئی منشور یافتہ بینک جس کو حکومتِ ہند نے منشور عطا کیا ہو۔

(۷) بینک کا صدر دفتر بمبئی میں ہے اور دوسرے چاروں مقاموں پر اس کی شاخوں کے مقامی دفتر ہیں، صدر مقام پر ایک مرکزی بورڈ ہوتا ہے اور شاخوں میں مقامی بورڈ۔

(۸) مرکزی اور صوبہ داری یا دیسی ریاستوں کا کوئی ملازم، کسی دوسرے بینک کا ناظم، یا مجلس قانون ساز کا کوئی رکن صدر یا کسی مقامی بورڈ کا ممبر نہیں ہو سکتا۔

(۹) بینک کے مرکزی بورڈ میں سولہ ممبر ہوتے ہیں، گورنر، دو ڈپٹی گورنر اور چار ناظموں کو گورنر جنرل مقرر کرتا ہے، آٹھ ناظموں کا انتخاب حصے دار کرتے ہیں، ان میں بمبئی، کلکتہ، اور دہلی سے دو دو اور مدراس اور رنگون سے ایک ایک ناظم ہوتا ہے، ان کے علاوہ حکومت ایک عہدے دار زر بھی مقرر کرتی ہے جو حکومت کے مفاد کی حفاظت کرتا ہے، مگر اس کو اور ڈپٹی گورنروں کو رائے دینے کا حق نہیں ہوتا۔ بورڈ کی ہر سہ ماہی ایک میٹنگ ہونا ضروری ہے۔

(۱۰) مقامی بورڈوں میں آٹھ ممبر ہوتے ہیں، جن میں سے پانچ کا انتخاب مقامی حصے دار کرتے ہیں اور تین ممبروں کا تقرر مرکزی بورڈ کرتا ہے۔

(۱۱) بینک کی ایک شاخ لندن میں کھولی گئی ہے، مگر ہندستانی اس کو

غیر ضروری بتاتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ جس طرح انگلستان بینک یا دوسرے بینک، دوسرے ملکوں کے بینکوں سے یہ کام لیتے ہیں اسی طرح ریزرو بینک کو انگلستان بینک سے یہ کام لینا چاہیے تھا۔ اور اس طرح اخراجات میں کافی بچت ہوسکتی تھی۔

(۱۲) بینک کے ہر پانچ حصّوں کے لیے ایک ووٹ ہے، مگر کوئی ایک آدمی ایک وقت میں دس ووٹ سے زاید کا مستحق نہیں، نیز ہر نیا ممبر ابتدائی چھ ماہ تک رائے دینے کا حق نہیں رکھتا۔

(۱۳) حکومت بینک کے حصّے نہیں خرید سکتی اور نہ وہ بینک کے کاروبار یا انتظام میں مداخلت کرسکتی ہے۔

بینک حسبِ ذیل کام انجام دے سکتا ہے:-

۱- مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں، دیسی ریاستوں، بینکوں اور عوام کی بلا سودی امانتیں محفوظ رکھنا۔

۲- پرانیسری نوٹوں اور ہنڈیوں کی خرید و فروخت اور ان پر بٹا کاٹنا مگر تجارتی ہنڈیوں کی مدت ۹۰ دن اور زرعی ہنڈیوں کی معیاد ۹ ماہ سے زاید نہ ہونا چاہیے، ان ہنڈیوں پر دو دستخطوں کا ہونا ضروری ہے، جن میں سے ایک دستخط جدولی بینکوں میں سے کسی ایک کے ہونے چاہییں۔

۳- بینک ان ہنڈیوں کی خرید و فروخت کرسکتا ہے جو برطانیہ عظمیٰ کے کسی مقام پر لکھی جائیں۔

۴- بینک اپنی فاضل رقمیں برطانیہ کے بینکوں میں رکھ سکتا ہے۔

۵- بینک، جدولی بینکوں سے اسٹرلنگ کی خرید و فروخت کرسکتا ہے

بشرطیکہ ان کی مقدار ایک لاکھ رُپے سے زاید نہ ہو۔

۶۔ بنک صوبے داری حکومتوں، دیسی ریاستوں، اپنے اراکین بنکوں اور امداد باہمی کے بنکوں کو تین مہینے کی مدت کے لیے تمسکوں کی ضمانت پر قرض دے سکتا ہے۔

۷۔ مرکزی اور مقامی حکومتوں کو ٹیکس وصول ہونے سے قبل عام اخراجات کے لیے تین ماہ کے لیے قرض دے سکتا ہے۔

۸۔ برطانیہ کے تمسکوں کی خرید فروخت کرسکتا ہے۔

۹۔ وزیرِ ہند، گورنر جنرل اور حکومت کے لیے سونے کی خرید فروخت کا ایجنٹ بن سکتا ہے۔

۱۰۔ حکومت کے قرضے کا انتظام اسی کے سپرد ہے۔

۱۱۔ اپنے اراکین بنکوں سے قرض حاصل کرسکتا ہے۔

۱۲۔ اسٹرلنگ معیار والے ملکوں کے زر کی خرید فروخت کرسکتا ہے، اور ان ملکوں کے تمسکات اور ہنڈیوں کا کاروبار بھی کرسکتا ہے بشرطیکہ گورنر جنرل سے اس کی اجازت حاصل ہو۔

۱۳۔ اجرائے نوٹ کا حق صرف اسی کو حاصل ہے۔

۱۴۔ مقدارِ اعتبار کو کم یا زیادہ کرنے کے لیے تمسکات کی خرید فروخت کرسکتا ہے۔

۱۵۔ ایسے تمام کاروبار انجام دے سکتا ہے جو اس کے فرائض کی انجام دہی کے لیے ضروری ہوں۔

بنک حسبِ ذیل کاروبار نہیں کرسکتا:۔

۱۔ کسی تجارت یا تجارتی کاروبار میں حصہ لینا۔

۲۔ اپنے حصے آپ خریدنا۔
۳۔ کسی دوسرے بینک یا کمپنی کے حصے خریدنا یا ان کی ضمانت پر قرض دینا۔
۴۔ بغیر ضمانت کے قرض دینا۔
۵۔ امانتوں اور چالو کھاتوں پر سود دینا۔
۶۔ غیر منقولہ جایداد یا ان کی دستاویزوں کی ضمانت پر قرض دینا اور نہ بینک ان کا مالک ہوسکتا ہے بجز ان عمارتوں کے جو کاروبار چلانے کے لیے ضروری ہوں۔ اس وقت ریزرو بینک کی اپنی عمارتیں بمبئی کے علاوہ رنگون اور لاہور میں ہیں۔

بینک حکومتِ ہند کے سارے کام انجام دیتا ہے، اور جہاں بینک کی کوئی شاخ یا ایجنسی ہوتی ہے وہاں سرکار اپنا خزانہ نہیں کھول سکتی، یہ بینک ٹیکس، ٹکٹ اور دوسرے قسم کے محصولوں سے مستثنیٰ ہے بینک کو نوٹ جاری کرنے کا اجارہ حاصل ہے، یہ پانچ، دس، پچاس، سو، ہزار اور دس ہزار کے نوٹ جاری کرسکتا ہے، بینک کے ان نوٹوں کو قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور کوئی شخص ان کے لینے سے انکار نہیں کرسکتا، جنوری ۱۹۳۸ء میں بینک نے اپنے پانچ اور دس روپے والے نوٹ جاری کیے، اور آخر سال میں سو، ہزار اور دس ہزار کے نوٹ جاری کیے۔ فی الوقت پچاس اور پانسو کے نوٹ جاری نہیں ہیں، اس سال برما میں پانچ اور دس کے نوٹ جاری کیے اور دوسرے سال باقی قیمتوں کے نوٹ جاری ہوئے، ہندوستان اور برما کے نوٹوں کے نمونوں میں فرق ہے۔

نوٹوں کے سلسلے میں بینک دو شعبوں میں تقسیم ہی، ایک نوٹ جاری کرنے والا شعبہ اور دوسرا عام بینکاری کا کام کرنے والا شعبہ، ان دونوں شعبوں کا حساب الگ الگ رکھا جاتا ہی اور ایک کی ذمے داری دوسرے پر عاید نہیں ہوتی، جس مقدار کے نوٹ جاری کیے جاتے ہیں ان کا چالیس فی صدی سونا، سونے کے سکوں اور اسٹرلنگ کے تمسکوں میں رکھا جاتا ہی مگر اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہی کہ سونے اور سونے کے سکوں کی مقدار کسی وقت ۴۰ کرور سے کم نہ ہونا چاہیے گورنر جنرل کی اجازت سے سونے کی اس مقدار کو گھٹایا جاسکتا ہی مگر ایسی صورت میں بینک کو ایک قسم کا تاوان دینا پڑتا ہی، لیکن جب سے بینک قایم ہوا ہی ہمیشہ سونے کی مقدار کا اوسط زیادہ ہی رہا ہی، چنانچہ گذشتہ چھی سالوں کا مجموعی اوسط ۵۷،۱۴ فی صدی ہوتا ہی بینک کو اپنے سونے کا کچھ حصہ انگلستان بینک میں بھی رکھنے کا حق تھا مگر آج کل اس کا سونا کہیں باہر نہیں ہی، سونے کی اس مقدار کے علاوہ بقیہ حصہ رُپیہ، حکومتِ ہند کے تمسکات، ہنڈیوں اور پرامیسری نوٹوں کی شکل میں رکھا جاتا ہی، مگر رُپے کے تمسکات کی مقدار پچاس کرور سے زاید نہ ہونا چاہیے، البتہ گورنر جنرل خاص حالات میں اس میں مزید دس کرور کا اضافہ کرسکتا ہی۔

ہر وہ بینک جو ہندستان میں کاروبار کرتا ہی اور جس کا سرمایہ پانچ لاکھ سے زاید ہو، اپنی امانتوں کا دو فی صدی اور چالو کھاتوں کا پانچ فی صدی ریزو بینک میں جمع کرنے پر مجبور ہی، اگر وہ یہ شرط پوری نہ کرسکے تو ریزو بینک کم مقدار پر اپنی مقررہ شرح سے زاید سود

وصول کرنے کا اختیار رکھا ہے، مگر قانون میں کوئی ایسی شرط نہ تھی کہ جب تک جرمانے کی رقم ادا نہ ہو بینک امانتوں کو واپس کرنے سے انکار کر دے۔ چنانچہ ۱۵ر نومبر ۱۹۴۰ء کو اس دفعہ میں ترمیم ہوگئی اور ریزرو بینک کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ جو بینک ایسی غلطی کرے اس کے منیجر یا سکریٹری پر ہر روز پانسو روپے تک جرمانہ بھی کر سکے گا نیز ان بینکوں پر یہ بھی فرض ہے کہ اپنے پورے حسابات کی تفصیل سے ریزرو بینک اور گورنر جنرل کو مطلع کرتے رہا کریں۔ یہ فہرست ہر مہینے کی آخری تاریخ تک دونوں جگہ پہنچ جانا چاہیے، ورنہ ریزرو بینک ایسے بینک پر سو روپے یومیہ جرمانہ کر سکتا ہے، ایسے بینکوں کو جدولی بینک یا ریزرو بینک کے اراکین بینک کہا جاتا ہے۔

بینک کو عام کاروبار سے جو منافع ہوتا ہے وہ مقررہ شرح سے حصے داروں میں تقسیم ہوتا ہے۔ مگر کسی صورت میں ۵ فی صدی سے زاید نہیں ہو سکتا۔ جب سے بینک قایم ہوا ہے وہ برابر $3\frac{1}{2}$ فی صدی منافع تقسیم کر رہا ہے، منافع کا بقیہ حصہ گورنر جنرل کو ادا کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ بینک کا "ریزرو فنڈ" پانچ کروڑ سے کم نہ ہو۔ اگر یہ فنڈ اس سے کم ہوگا تو منافع میں سے کم سے کم پچاس لاکھ روپیہ اس فنڈ میں داخل کیا جائے گا لیکن آج کل بینک کا ریزرو فنڈ اس کے اصل کے برابر یعنی ۵ کروڑ ہے۔ ۴۱-۱۹۴۰ء میں ریزرو بینک کو ۲،۰۹،۲۶،۴۴۷ روپے منافع ہوا اور اس نے ۲،۰۱،۷۶،۴۴۷ روپے مرکزی حکومت کو ادا کیے، یہ اتنی بڑی رقم ہے جو اس سے پہلے کبھی ادا نہیں ہوئی گزشتہ سالوں میں حکومت کو ہر سال مندرجۂ ذیل رقم ادا کی گئی:۔

سنہ ۱۹۳۵ء (نو ماہ)	۴۲,۹۳,۲۴۴	روپے
سنہ ۱۹۳۶ء	۳۵,۹۲,۱۰۰	"
سنہ ۱۹۳۷ء	۱۰,۴۱,۲۰۰	"
سنہ ۱۹۳۸ء	۲۰,۹۵,۱۳۷	"
سنہ ۱۹۳۹ء	۵,۰۰,۳۵۵	"
سنہ ۱۹۴۰ء (چھ ماہ)	۲۰,۵۴,۰۰۰	"
سنہ ۱۹۴۰-۴۱ء	۲,۶۱,۷۶,۴۴۷	"

ریزرو بینک کے صدر دفتر کے چار بڑے شعبے ہیں، پہلا سکریٹری کا دفتر ہے جہاں بینک کی عام خط و کتابت اور مرکزی بورڈ کے جلسوں کی کارروائیاں وغیرہ ہوتی ہیں، دوسرا صدر محاسب کا دفتر ہے جہاں جملہ حسابات کی جانچ پڑتال ہوتی ہے، تیسرا خارجی مبادلے کو قابو میں رکھنے والا شعبہ ہے اور چوتھا زرعی اعتبار کو بڑھانے والا شعبہ ہے، عوام کو بینکاری کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے ریزرو بینک ملک کے مختلف اداروں سے کام لیتا ہے یہ بینک کی ایجنسیاں کہلاتی ہیں سنہ ۱۹۴۱ء میں ہندستان اور برما میں ان کی کل تعداد ۱۲۰۰ تھی، اس میں حکومت کے خزانے اور ان کی شاخیں اور امپیریل بینک کی شاخیں شامل ہیں۔

چونکہ امپیریل بینک ریزرو بینک کا ایجنٹ قرار پایا، لہذا ان دونوں میں کوئی معاہدہ ہونا ضروری تھا چنانچہ ان دونوں میں پندرہ سال کے لیے ایک معاہدہ ہوگیا جو مدت گزر جانے کے بعد فریقین میں سے کسی ایک کی طرف سے پانچ سال کا نوٹس دینے پر ختم ہو سکے گا، اس

معاہدے کی رو سے امپیریل بینک، ریزرو بینک کا سول ایجنٹ قرار پایا، جہاں امپیریل بینک کی شاخیں ہوں گی وہاں ریزرو بینک اپنی شاخیں نہ قایم کرسکے گا، نیز امپیریل بینک اپنی کسی شاخ کو بغیر ریزرو بینک کی منظوری کے نہ بند کر سکے گا اور نہ اس کی جگہ بدل سکتا ہے۔ ریزرو بینک ان خدمتوں کے معاوضے میں امپیریل بینک کو پہلے پانچ سال تک نو لاکھ دوسرے پانچ سال چھ لاکھ اور تیسرے پانچ سال چار لاکھ رُپیہ سالانہ ادا کرتا رہے گا، اس کے علاوہ جتنی رقم کا کاروبار ہوگا، اس پر ایک آنہ فی سینکڑہ کمیشن دے گا، لیکن اگر کاروبار ڈھائی سو کرور سے زیادہ کا ہو تو کمیشن نصف آنہ کر دیا جائے گا

ریزرو بینک کے قیام کے وقت اس پر یہ شرطیں بھی لگائی گئی تھیں کہ وہ مندرجۂ ذیل تین امور کے متعلق تحقیق و تفتیش کے بعد مفصّل رپورٹ پیش کرے گا، ایک ہندستان کے معیارِ زر پر، دوسرے زرعی مالیات کو ٹھیک کرنے کی تدبیروں پر اور تیسرے دیسی مہاجنی کاروبار کرنے والوں سے وہی معلومات حاصل کرنے پر جو بینکوں سے حاصل کی جاتی ہیں۔ پہلی چیز کے متعلق ۱۹۳۵ء میں رپورٹ پیش کی، مگر اس کے وہ نتائج پیدا نہیں ہوئے جن کے پیدا ہونے کی امید کی جاتی تھی۔

ریزرو بینک کے دونوں شعبوں کے کاروبار کے حسابات الگ الگ پہلے ضمیمے میں دیے گئے ہیں۔

نواں باب

دوسرے بینک

دوسرے بینکوں میں مبادلہ بینک، مشترکہ سرمایہ دار بینک، صنعتی اور زرعی بینک شامل ہیں، اب ان کا ذکر الگ الگ کیا جائے گا۔
جیسا کہ بتایا جا چکا ہے حکومت نے پریسیڈنسی بینکوں پر یہ پابندی لگا دی تھی کہ وہ بیرونی لین دین میں حصہ نہ لیں، اور ہندستان کے باہر رقمیں جمع نہ کریں، مگر جب بیرونی تجارت بڑھی اور خارجی لین دین میں اضافہ ہونے لگا تو ایسے بینکوں کی ضرورت محسوس ہونے لگی جو مبادلے کا کام کر سکیں، چونکہ ابتدا میں ہندستانی تجارت میں انگلستان کا حصہ زیادہ تھا، اس لیے پہلے وہیں کے بینکوں نے اپنی شاخیں یہاں قایم کیں، مگر جیسے جیسے دوسرے ملکوں سے تجارتی تعلقات قایم ہوتے گئے ویسے ہی ان ملکوں کے بینکوں کی شاخیں بھی یہاں قایم ہونے لگیں، گویا مبادلہ بینک بیرونی ملکوں کے بینکوں کی شاخیں ہیں جو ہندستان میں کاروبار کرتے ہیں، ان کا سرمایہ بیرونی ہے اور ان کا سارا انتظام بھی بیرونی لوگوں کے ہاتھ میں ہے، ہندستان میں انگلستان، جاپان، امریکہ، فرانس، ہالینڈ وغیرہ کے بینک قایم ہیں (جنگ کی وجہ سے دشمن کے اکثر علاقوں کے بینک بند ہو چکے ہیں)
یہ بینک دو قسم کے ہیں، پہلے وہ جن کا کاروبار صرف ہندستان

تک محدود ہی جیسے انٹرنیشنل بینکنگ کارپوریشن، امپیریل بینک آف پرشیا، بینک آف تیوان (Bank of Taiwan) اور یوکوہاما اسپیی بینک (Yokohama Specie B.) دوسرے وہ جن کا کاروبار ہندستان کے علاوہ دوسرے ایشیائی ملکوں میں بھی پھیلا ہوا ہی مثلاً نیشنل بینک آف انڈیا، چارٹرڈ بینک آف انڈیا آسٹریلیا اینڈ چاینا، اور ہانگ کانگ اینڈ شنگھائی بینکنگ کارپوریشن۔

شروع میں ان بینکوں کا کام صرف تجارتِ خارجہ میں مدد دینا تھا۔ لیکن ابھی کچھ دنوں سے اُنھوں نے ہندستان کے بعض شہروں میں اپنی شاخیں قایم کرکے اندرونی تجارت میں بھی حصّہ لینا شروع کر دیا ہی، چنانچہ امرتسر کی کٹ پیس کی تجارت اور کان پور کی چمڑے کی تجارت انھی کے بل بوتے پر چل رہی ہی، اب یہ بینک ہندستانی کھاتے داروں کی رقمیں بھی امانت رکھنے لگے ہیں، لیکن ان کا سب سے اہم کام بیرونی ملکوں کی ہنڈیاں کاٹنا، مبادلاتِ خارجہ کا انتظام کرنا اور درآمد برآمد میں مدد دینا ہی۔

ہندستان میں ۱۹۱۸ء میں ۲۰ مبادلہ بینک تھے، جن کا سرمایہ دس کرور پونڈ کے قریب ہی اور ان امانتوں کی مجموعی مقدار جو اُنھوں نے ہندستان میں حاصل کیں ایک کرور رُپے کے لگ بھگ تھی، ان میں سب سے بڑا بینک "نیشنل سٹی بینک آف نیویارک" ہی جس کا سرمایہ ۲ ½ کرور پونڈ، امانتیں ۳۳ کرور پونڈ اور کل کاروبار ۴۴ کرور پونڈ کا ہی، اس کے بعد دوسرا بڑا بینک "لائیڈز بینک" ہی جس کا کل کاروبار بھی پہلے بینک کے قریب قریب ہی مگر سرمایہ ۱ ½ کرور پونڈ ہی اور

امانتیں پہلے بینک سے زیادہ ہیں۔

گو مبادلہ بینک ہندستان کی ایک اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مگر ہندستانی ان سے کچھ خوش نہیں ہیں کیونکہ ایک تو مبادلاتِ خارجہ کے سارے مالک یہی بن بیٹھے ہیں، اس طرح کمیشن، دلالی اور بیمے وغیرہ میں کافی رقم جو ہندستانیوں کو ملنا چاہیے تھی بیرونی لوگوں کی جیب میں چلی جاتی ہے، پھر چونکہ ان کو بیرونی کاروبار کا اجارہ حاصل ہے لہذا یہ ہندستانی تاجروں کے مفاد کو زیادہ پیشِ نظر نہیں رکھتے، کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ تاجر مجبور ہیں کہ انھی کے ذریعے سے اپنے کام چلائیں، نیز ان پر حکومت کا کوئی اقتدار نہ تھا اور وہ ان کی ہندستانیوں کے مفاد کے خلاف حرکتوں کو روک نہ سکتی تھی، حالانکہ دوسرے ملکوں میں خارجی بینکوں پر بندشیں اور پابندیاں لگائی جاتی ہیں، چنانچہ ہندستانی بھی ان کو بعض پابندیوں کے تحت لانا چاہتے تھے چنانچہ بینکنگ انکویری کمیٹی کے سامنے بھی یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اور مندرجہ ذیل پابندیاں عاید کرنے کی خواہش کی گئی۔

۱۔ کسی مبادلہ بینک کو اس وقت تک امانتیں رکھنے کا حق نہ ہو جب تک کہ وہ ہندستان میں اپنی باقاعدہ رجسٹری نہ کرائے، اور اس کا سرمایہ رُپے کی شکل میں نہ ہو۔

۲۔ اگر یہ بینک ہندستان میں رجسٹری نہ کرائیں تو کم از کم انھیں بغیر لائسنس لیے تجارتی کاروبار نہ کرنے دیا جائے

۳۔ یہ بینک اپنے ہندستانی کاروبار کے متعلق ماہوار حسابی گوشوارے شایع کیا کریں۔

۴۔ بینکوں کی ایک مقامی مشاورتی کمیٹی ہو جس کے آدھے ممبر ہندستانی ہوں۔

ان میں سے کسی تجویز پر عمل تو نہیں کیا گیا، لیکن ریزرو بینک قایم ہوجانے سے یہ ایک طرح مرکزی بینک کے تحت آگئے ہیں اور ان کی وہ پہلے کی سی آزادی ختم ہوگئی ہے۔

ہندستانی مشترک سرمایہ دار بینکوں سے مُراد صرف وہ بینک ہیں جو ہندُستان میں قایم ہوے، اور جن کے صدر دفتر بھی یہیں ہیں، زیادہ تر ان میں ہندُستانیوں کا رُپیہ ہے اور ان کا انتظام بھی ہندستانیوں کے ہاتھوں میں ہے، اگرچہ ابتدا میں یہ بینک بھی بدیسی سرمائے دار اور یورپین انتظام کے تحت قایم ہوئے، اس قسم کا سب سے پہلا بینک "بینک آف اپرانڈیا" تھا، اس کے بعد ہی ۱۸۶۵ء میں الہ آباد بینک قایم ہُوا جو اب تک جاری ہے۔ ۱۸۷۰ء تک اس قسم کے سات بینک جاری تھے، الائنس بینک آف شملہ ۱۸۷۴ء میں قایم ہوا اور اس نے خوب ترقی کی، ہندُستان کے مختلف شہروں میں اس کے گیارہ دفتر اور ۳۹ شاخیں تھیں، وقتاً فوقتاً اس میں دوسرے بینک ضم ہوتے رہے، مگر ۱۹۲۳ء میں اس کا دیوالا نکل گیا، انیسویں صدی تک ان بنیکوں نے کچھ زیادہ ترقی نہ کی مگر بیسویں صدی کے ابتدائی چند سالوں میں ان کی رفتار میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ ۱۹۰۵ء کی سودیشی تحریک کی وجہ سے ملک میں نئے نئے بینک قایم ہوئے۔ بینک آف انڈیا، بینک آف برما، بمبئی بینکنگ کمپنی اور انڈین اسپیسی بینک اسی زمانے کی پیدا وار ہیں۔ مگر

ان میں اکثر بینکوں کا کاروبار سطحی اور تخمین پر مبنی تھا، اس لیے جب ۱۹۱۳ء میں پیوپلز بینک کا دیوالا نکلا تو بینکوں پر ایک عام یورش شروع ہوگئی چنانچہ ایک سال کے اندر ۵۵ بینکوں کا دیوالا نکلا، جنگِ عظیم نے بینکوں کی مصیبت میں اور اضافہ کردیا چنانچہ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۴ء تک کے دس سال ان کے لیے بڑی سخت تباہی کے رہے اور اس زمانے میں ۱۶۱ بینک دیوالیہ ہوئے، جن کا مجموعی سرمایہ پونے سات کروڑ کے قریب تھا۔

ان بینکوں کی ناکامی کے مختلف اسباب تھے، مثلاً ایک تو ان بینکوں نے اپنی کل امانتوں کے مقابلے میں ذخیرۂ محفوظ کی مقدار کم رکھی۔ دوسرے اپنے رُپے کو ایسے کاروبار میں پھنسا دیا جہاں سے رقم بروقت وصول نہ ہوسکی، تیسرے عوام کو امانتیں رکھنے کی ترغیب دینے کے لیے شرح سود زیادہ رکھی، چوتھے حسابات کی جانچ کی طرف سے لاپروائی اختیار کی گئی، پانچویں دیانت دار مینجروں اور تجربے کار ناظموں کی کمی تھی، چھٹے حصے داروں کو دھوکے میں رکھا جاتا تھا اور بعض وقت منافع اصل میں سے تقسیم کر دیا جاتا تھا، خود ناظم ان بینکوں سے قرض لے لیا کرتے تھے اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی ناکافی ضمانت پر قرض دلوا دیتے تھے، اس کے علاوہ حکومت اور نیم سرکاری اداروں کا عدم تعاون بھی ان کی ناکامی کا ایک سبب تھا، یہ بینک حکومت پر الزام لگاتے ہیں کہ اس نے آڑے وقت میں ان کی مدد نہ کی، خاص طور پر پریذیڈنسی بینک اور بعد میں امپیریل بینک ان کو ضمانت پر بھی قرض نہ دیتے تھے، چنانچہ

ٹوٹے ہوئے بینکوں میں بعض ایسے بھی تھے جن کی مالی حالت اچھی تھی لیکن ان کے پاس نقد رقم نہ تھی، اور اگر اس وقت جب کہ امانت داروں کی ان پر یورش ہو رہی تھی ان کی مدد نقد روپے سے کر دی جاتی تو یہ دیوالے سے بچ سکتے تھے۔

ان بینکوں کی ناکامی کو بعض لوگ ہندستانیوں کی غیر صلاحیت اور انتظامی قابلیت کی کمی سے تعبیر کرتے ہیں مگر ماہر اس اعتراض کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ مشترک سرمائے دار بینکوں کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ ابتدا میں ناکام ہوتے ہیں، چنانچہ خود انگلستان اور امریکہ کی متحدہ ریاستوں میں جب یہ بینک قایم ہوئے تو بہت سے ناکام رہے، نیز یہ اعتراض اس لیے بھی کچھ زیادہ قوی نہیں کہ صرف ہندستانی انتظام والے بینک ہی ناکام نہیں رہے، بلکہ ان بینکوں کا دیوالہ پہلے نکلا جو یورپین ہاتھوں میں تھے اور ان کے اثر سے ہندستانی بینکوں کو نقصان پہنچا۔ بہر حال ان بینکوں کے ٹوٹنے کی وجہ سے مالی پریشانی بہت زیادہ ہوئی، لیکن ان سے بہت سے سبق بھی حاصل ہوئے اور حکومتِ ہند نے صوبائی حکومتوں کے مشوروں سے ان پر چند پابندیاں لگا دی ہیں، مثلاً حکومت ہر بینک کے لیے ایک مقدار مقرر کر دیتی ہے جو حصّوں کے ذریعے سے جمع کی جاتی ہے، نیز ایک مدت بھی مقرر کر دیتی ہے، جس کے اندر اندر یہ رقم جمع ہو جانا چاہیے، اس کے علاوہ منافع اس وقت تک بانٹنے کی اجازت نہیں دیتی جب تک کہ کافی رقم سرمایۂ محفوظ میں جمع نہ ہو جائے، اور ایسے کاروبار میں روپیہ نہیں لگانے دیتی جہاں سے بر وقت اور آسانی سے رقم وصول نہ ہو سکتی

ہو، اور اب تو یہ سب بینک بھی ریزرو بینک کے ماتحت آگئے ہیں اور ان کو قرض دینا اور ان کی مدد کرنا اس کے فرائض میں داخل ہے۔

ریزرو بینک کے قایم ہو جانے کے بعد ہندستانی بینک دو قسموں میں تقسیم ہو گئے ہیں، ایک جدولی بینک یعنی جن کا سرمایہ پانچ لاکھ یا اس سے زاید ہے اور جو ریزرو بینک کے رکن ہیں، ۱۹۴۱ء میں ہندستان میں ایسے بینک ۵۹ اور برما میں ۵ تھے، یعنی کل جدولی بینک ۶۴ تھے، جس میں سے ۲۰ مبادلہ بینک تھے اور باقی ہندستانی مشترک سرمائے کے بینک، ہندستانی بینکوں میں پانچ بڑے بینک سنٹرل بینک آف انڈیا، بینک آف انڈیا، الہ آباد بینک، بینک آف بڑودہ اور پنجاب نیشنل بینک ہیں جن میں سے ہر ایک کی امانتوں کی مقدار پانچ کرور سے زاید ہے، باقی بینکوں کا سرمایہ پانچ لاکھ یا اس سے زاید ہے۔

وہ بینک جو ریزرو بینک کے رکن نہیں ہیں غیر جدولی بینک کہلاتے ہیں، ان کو پھر دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جن کا سرمایہ پچاس ہزار یا اس سے زاید ہے اور دوسرے وہ جن کا سرمایہ اس سے کم ہے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۰ء کو برطانوی ہند میں پہلے قسم کے ۲۵۰ اور دوسری قسم کے ۳۴۷ بینک تھے جن کی تفصیل یہ ہے:-

پچاس ہزار سے کم	۳۴۷
پچاس ہزار اور ایک لاکھ کے درمیان	۱۳۲
ایک لاکھ سے دو لاکھ	۴۷
دو لاکھ سے چار لاکھ	۲۵
چار لاکھ سے زاید	۱۳

۳۰ جون ۱۹۴۱ء کو ۳۷ غیر جدولی بینک ایسے تھے جو ریزرو بینک کی مشاورتی فہرست میں داخل تھے اور جن کو صوبائی حکومتوں کے مشورے کے بعد جدول میں شامل کر لیا جا سکے گا۔

۱۹۴۱ء کی ریزرو بینک کی رپورٹ میں اس کا بھی ذکر ہے کہ گزشتہ سالوں میں ہندوستان کے اندر مشترک سرمائے کے کس قدر بینک ناکام ہوئے چنانچہ ان کی صوبے داری تفصیل یہ ہے:-

صوبہ یا ریاست	۱۹۳۹ء	۱۹۴۰ء
مدراس	۳۷	۱۸
بمبئی	۱۰	۳
بنگال	۷	۱۱
پنجاب	۴	۶
ٹراونکور	۵	۱۴
کوچین	۱۴	۴

۱۹۴۰ء کے اعداد تسلی بخش ہیں کیونکہ جنگ کے غیر یقینی اور پریشان کن حالات، بازاروں میں قیمتوں کے اتار چڑھاؤ اور بازاری افواہوں کے باوجود اس سال گزشتہ سال کے مقابلے میں بینک کم ناکام ہوئے۔

امپیریل بینک، مبادلہ بینک اور مشترک سرمائے والے بینک ہندوستانی صنعتوں کی مالی امداد نہیں کرتے کیونکہ یہ سب بینک تھوڑی مدت کے لیے قرض دیتے ہیں اور کافی مضبوط ضمانتیں مانگتے ہیں اور سوائے سرکاری تمسکات کے اور کسی چیز کی ضمانت قبول نہیں

کرتے، کیونکہ یہ بینک صرف اُسی قسم کے کاروبار میں رُپیہ لگاتے ہیں جہاں سے ضرورت کے وقت فوراً رقم وصول کرلی جائے۔ مگر ہندستان کے کارخانوں اور صنعتوں کو بھی مالی امداد کی سخت ضرورت ہے، اور یہاں ایسے صنعتی بینکوں کی بڑی ضرورت ہے جو ان کی امداد کرسکیں، ۱۹۱۸ء میں صنعتی کمیشن نے بھی ایسے بینکوں کے قیام کی سفارش کی تھی چنانچہ اسی سال بمبئی میں ٹاٹا انڈسٹریل بینک اور کلکتے میں کرنانی انڈسٹریل بینک قایم ہوا لیکن یہ دونوں بہت جلد ناکام ہو گئے، پہلا بینک ۱۹۲۳ء میں سنٹرل بینک آف انڈیا میں ضم ہوکر تجارتی بینک بن گیا، اور دوسرے بینک کو بہت جلد مالی مشکلوں کی وجہ سے کاروبار بند کرنا پڑا، اب ہندستان میں کوئی خالص صنعتی بینک نہیں ہے مگر بعض تجارتی بینک چھوٹے پیمانے پر صنعتوں کی مدد کرنے لگے ہیں۔

ہندستان میں زمینوں کی ترقی اور زراعت کی امداد کے لیے زرعی بینکوں کی سخت ضرورت ہے، بات یہ ہے کہ ہر پیشے کی طرح کاشتکاروں اور زمینداروں کو بھی قرض کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ لوگ مہاجنوں اور ساہوکاروں کے پاس اپنی اپنی زمینیں یا فصلیں رہن رکھ کر قرض لیتے ہیں، مگر شرح سود کی زیادتی اور ساہوکاروں کی چالاکیوں سے ان کو بڑا نقصان ہوتا ہے اور ان کی زمینیں ان کے قبضے سے نکل نکل کر ساہوکاروں کے پاس جانے لگی ہیں، اور بہت سے کاشتکار زرعی مزدور بن گئے ہیں اس خرابی کو دور کرنے کے لیے ملک میں ایسے بینکوں کی ضرورت ہے جو زمین یا فصلوں کی ضمانت پر کاشتکاروں

کو قرض دے سکیں ، ایسے بینکوں کو زمین گروی بینک کہا جاتا ہی۔

ہندستان میں سب سے پہلے سنہ ۱۹۲۰ء میں پنجاب کے ضلع جھنگ میں ایسا زرعی بینک قایم ہوا ، اور اب پنجاب میں بارہ بینک قایم ہیں ، ان میں سے دو اپنے سارے ضلع میں اور باقی صرف اپنی اپنی تحصیلوں میں کام کرتے ہیں ، بنگال میں دو ، آسام میں پانچ اور مدراس میں ایسے ۲۸ بینک قائم ہیں۔

دسواں باب

دوسرے مالی ادارے

آج کل کسی ملک میں صرف بینک ہی لین دین کا کاروبار نہیں کرتے بلکہ دوسرے ادارے بھی یہ کام کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً ہندستان میں انجمن ہائے امدادِ باہمی، ڈاک خانے کا شعبہ سیونگ بینک، حساب گھر، اسٹاک اکسچینج، بیمہ کمپنیاں یہ کاروبار کرتی ہیں، اس باب میں انھی کا ذکر مختصر طور پر علیحدہ علیحدہ کیا جائے گا۔

ہندستان کی آبادی کا بڑا حصہ زراعت میں مصروف ہے، زراعت پیشہ چھوٹے چھوٹے دیہات میں رہتے ہیں اور چھوٹے پیمانے پر کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں، اور اپنے اس کام کے لیے ان کو قرض کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے۔ عام طور پر ان کو ساہوکار اور مہاجن قرض دیتے ہیں جو ان سے نہ صرف بہت زیادہ سود وصول کرتے ہیں بلکہ اور طرح طرح کی ترکیبوں سے کاشتکاروں کو نقصان پہنچاتے ہیں، نیز اکثر ان کی زمینوں پر بھی قابض ہوجاتے ہیں، چنانچہ سرکار کاشتکاروں کی ان مصیبتوں کو دور کرنے کے لیے عرصے سے سوچ بچار کر رہی تھی اور اس نے ایک طرف تو قانون کے ذریعے مہاجنوں کی دست درازیوں کو روکا اور دوسری طرف ان کے لیے سرمایہ مہیا کرنے کا انتظام کیا، اور سنہ ۱۹۰۴ء میں قرضے کی امدادِ باہمی والی

انجمنوں کا قانون پاس کیا، اس قانون کی رو سے ہر گانو میں کم سے کم دس آدمی مل کر ایک انجمن بنا سکتے ہیں، اور یہ اپنے ممبروں سے اپنی ضرورتوں کے لیے رُپیہ فراہم کرتے ہیں، اور جن ممبروں کو ضرورت ہوتی ہے ان کو قرض دیتے ہیں، سرکار بھی ان کی امداد کرتی ہے۔ ۱۹۱۲ء میں اس قانون میں ترمیم کی گئی اور قرضے کے علاوہ دوسری قسم کی انجمنیں بھی بنانے کی اجازت دی گئی، مثلاً تھوک فروشی کے حساب سے اپنے ممبروں کی ضرورتوں کے لیے سامان خریدنا، اپنے ممبروں کے لیے بیج، کھاد زراعتی آلے، مویشی اور دوسری چیزوں کی فراہمی کا انتظام کرنا، اب یہ انجمنیں صرف زراعت پیشہ لوگوں کے لیے مخصوص نہیں رہیں بلکہ دوسرے پیشوں کے لوگ بھی اپنی انجمنیں بنانے لگے ہیں، آج کل ایسی انجمنیں کارخانوں کے مزدوروں، بڑے بڑے دفتروں کے چپراسیوں اور منشیوں اور اسی قسم کی دوسری جماعتوں میں بھی نظر آتی ہیں، ان انجمنوں کی چار بڑی قسمیں ہیں، ایک جو صرف زراعت کے لیے نقد رُپیہ قرض دیتی ہیں۔ دوسری جو زراعت کا سامان اور دوسری ضرورتوں کا انتظام کرتی ہیں۔ تیسری جو زراعت کے علاوہ دوسرے کاموں کے لیے نقد رُپیہ قرض دیتی ہیں، اور چوتھی وہ نقد رُپیہ دینے کی بجائے سامان اور چیزیں فراہم کرتی ہیں، جیسے کپڑا بننے والوں کو کرگھا، دھاگا، رنگ وغیرہ مہیا کرنا، ان انجمنوں کی نگرانی کے لیے یونینین قایم ہوتی ہیں، جو اپنے حلقے کی ساری انجمنوں کی نگرانی کے علاوہ ان کی ضروریات اور ان کے لیے رُپے کی فراہمی کا انتظام کرتی ہیں،

یونینیوں پر مرکزی بینک ہوتے ہیں، اور اس سارے نظام کو مرکز پر لانے کے لیے ایک صوبے واری بینک ہوتا ہے۔

۱۹۲۹ء کی سرد بازاری کے زمانے میں اس تحریک کو بہت نقصان پہنچا اور معلوم ہوا کہ اس کی بنیاد میں بعض کمزوریاں ہیں چنانچہ اکثر جگہ بہت سی انجمنیں ناکام ہوئیں، اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ان انجمنوں سے زراعت پیشہ لوگوں کو وہ فائدہ نہیں پہنچا جس کی توقع تھی اور اسی وجہ سے زرعی بینکوں کی ضرورت محسوس کی گئی تاکہ کاشتکاروں کے لیے طویل عرصے کے قرضے کا انتظام ہو سکے، پھر بھی یہ تحریک ہندستان میں کافی پھیلی ہوئی ہے اور ۳۷-۱۹۳۶ء کے ذیل کے اعداد سے اس کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

صوبے واری بینک	۱۰
مرکزی بینک	۵۹۹
برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کی ہر قسم کی جملہ انجمنیں	۱,۱۱,۱۳۸
کل ممبران کی تعداد	۴۸ لاکھ
کل قرضے کی مقدار	ایک ارب روپیہ

بینکوں میں جو کچھ جمع رہتا ہے وہ لوگوں ہی کی رقمیں ہیں مگر بینک سے ہر آدمی کاروبار نہیں کر سکتا، اس کے لیے ایک تو تھوڑی بہت تعلیم اور واقفیت کی ضرورت ہے، دوسرے وہاں بہت چھوٹی یا معمولی رقم جمع نہیں کی جا سکتی مگر ہندستان جیسے ملک میں جہاں تعلیم کا اوسط بہت کم ہو، لوگوں کی واقفیت اور عام معلومات

کا معیار بہت ادنیٰ ہو جہاں آمدنی بہت کم ہو، اور رُپیہ بچانے کے موقعے زیادہ نہ ہوں وہاں بینک عوام کے لیے زیادہ مفید نہیں ہو سکتے بلکہ چھوٹی آمدنی والوں اور معمولی لوگوں کے لیے ایسے اداروں کی ضرورت ہے جو ان کی رقمیں محفوظ کرنے کی ذمے داری قبول کرلیں، اور اس کا کچھ معاوضہ بھی دے سکیں اور ساتھ ہی ساتھ چھوٹی سی چھوٹی رقم کا کاروبار کرسکیں اور جہاں رُپیہ جمع کرنے اور نکالنے میں بہت آسانی ہو، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ہندُستان کے ڈاک خانوں میں سیونگ بینک کی شاخیں کھولی گئیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ۱۸۳۲ء میں کاروبار پر ایک عام تباہی آئی اور اکثر بینکوں کا دیوالا نکلا تو عوام بینکوں سے بددل ہو گئے اور سرکاری ملازموں اور عوام کو اپنی رقمیں محفوظ رکھنے کے لیے کسی معتبر جگہ کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ اس مشکل کو دور کرنے کے لیے ۱۸۳۳ء میں کلکتے میں اور ۱۸۳۵ء میں بمبئی اور مدراس کی حکومتوں نے اپنے اپنے سیونگ بینک قایم کیے اور ان کی کامیابی دیکھ کر ۱۸۷۰ء میں ہندُستان کے اکثر ضلعوں میں ایسے بینک قایم کیے گئے، پھر ۱۸۸۲-۸۳ء میں ڈاک خانوں کے اندر سیونگ بینک کی شاخیں کھولی گئیں، اور جب ان کا کاروبار اطمینان بخش طریقے پر چلنے لگا تو پہلے ۱۸۸۶ء میں ضلعوں کے بینک اور ۱۸۹۶ء میں پریسیڈنسیوں کے بینک انھی میں ضم کردیے گئے اور اس طرح یہ سارا کاروبار ڈاک خانوں کے انتظام میں آگیا۔

جب سے برابر لوگ یہاں اپنی رقمیں جمع کرتے ہیں، البتہ

لڑائیوں کے زمانے میں جب بے اعتباری پھیلتی ہے تو ان رقموں میں کمی ہونے لگتی ہے، مثلاً گزشتہ جنگ کے زمانے میں یہی ہوا ۱۹۱۳-۱۴ء میں یہاں ۲۳ کرور روپیہ جمع تھا، مگر دوسرے سال اس کی تعداد ۱۴ کرور رہ گئی، مگر بہت جلد اطمینان بحال ہو گیا اور امانتوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۳۸-۳۹ء میں برما کو الگ کر کے صرف ہندستان میں ۱۸ کرور ۹۴ لاکھ روپیہ بطورِ امانت جمع تھا مگر اس جنگ کے شروع ہوتے ہی امانتوں کی تعداد پھر گھٹنے لگی چنانچہ ۱۹۴۰ء کے دو مہینوں یعنی مئی اور جون میں علی الترتیب سات، اور دس کرور روپیہ یہاں سے نکل گیا، اگرچہ اس کے بعد اس رفتار میں کمی ہو گئی مگر مجموعی امانتوں کی تعداد گھٹ گئی ہے، چنانچہ ۱۹۴۰-۴۱ء میں یہاں ۵۹ کرور ۷۰ لاکھ روپیہ جمع تھا۔

ڈاک خانے میں ہر شخص اپنا حساب کھول سکتا ہے، مگر کسی شخص کا ایک سے زیادہ کھاتا نہیں ہو سکتا، رقم جمع کرنے والے کو ایک کتاب مل جاتی ہے جس میں اس کا حساب درج رہتا ہے، اس کی کوئی فیس نہیں لی جاتی، ہر وقت رقم جمع کرنے اور ہفتے میں ایک مرتبہ رقم واپس لینے کی اجازت ہے، رقم پر ایک مقررہ شرح سے سود ملتا ہے آج کل یہ شرح ۱½ روپیہ فی سینکڑہ ہے، یہاں کسی آدمی کا حساب پانچ ہزار سے زاید نہیں ہو سکتا، یہ شرط اس لیے رکھی گئی ہے کہ ڈاک خانہ یہ کام چھوٹی رقموں کے لیے کرتا ہے، اگر وہ بڑی بڑی رقمیں بھی جمع کرنے لگے تو ملک کے بینکوں پر اثر پڑے گا، ڈاک خانہ، بینک کے مقابلے میں بہت زیادہ قابلِ اعتماد ہوتا ہے، کیونکہ ڈاک خانے

کو حکومت کی پوری سرپرستی حاصل ہوتی ہے اور جب تک حکومت میں کوئی گڑبڑ نہ ہو اس وقت تک ڈاک خانے کا دیوالا نہیں نکل سکتا اور اسی بڑھے ہوئے اعتماد کی وجہ سے ڈاک خانے کی شرح سود عام طور پر بینکوں سے کم ہوتی ہے۔ مثلاً آج کل امانتوں پر سود دینے والے بینکوں میں سب سے بڑے اور مستند بینک یعنی امپیریل بینک کی شرح سود ۲½ فی صدی ہے اور بعض بینکوں کی شرح تو دس یا بارہ فی صدی تک ہے مگر ڈاک خانے کی شرح صرف ۱½ فی صدی ہے، وجہ صاف ظاہر ہے کہ حکومت ڈاک خانے کو بینکوں کے مقابلے میں نہیں لانا چاہتی۔

پہلے ڈاک خانے میں حساب کھولنے میں بڑی آسانی تھی یعنی یہاں کم سے کم چار آنے کی رقم سے کھاتا کھل سکتا تھا اور یہی رقم ہر وقت جمع کی جاسکتی تھی یا واپس نکالی جاسکتی تھی، مگر پہلی اگست سنہ ۱۹۴۰ء سے اس انتظام میں تھوڑی سی تبدیلی ہوگئی ہے، یعنی اب کم سے کم دو روپے کی رقم ڈاک خانے میں جمع ہوسکتی ہے اور اتنی ہی رقم نکالی جاسکتی ہے، اگرچہ یہ تبدیلی اس وجہ سے ہوئی کہ ڈاک خانے کو چار آنے جیسی رقموں کا حساب رکھنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا مگر اس کی وجہ سے وہ غریب اور کم آمدنی والے جو روزانہ یا تیسرے چوتھے روز چار آنے کی رقم بچاکر ڈاک خانے میں جمع کردیا کرتے تھے اب ایسا نہیں کرسکتے۔ اور دو روپے تک اپنے پاس جمع کرکے داخل کرنا ان کے لیے بہت مشکل ہوجاتا ہے، جیساکہ ابھی کہا گیا ڈاک خانہ بڑی رقموں کے لیے نہیں ہے، پھر اپنے قیام سے اب تک چار آنے کا حساب رکھتا چلا آرہا ہے، اس لیے وہ اس کا خوب عادی

ہو چکا ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ پُرانے طریقے کو پھر اختیار کیا جائے۔

امانتوں کے علاوہ ڈاک خانوں میں اور بھی کاروبار ہوتے ہیں، ان میں سے ایک یہ پوسٹ آفس کیش سرٹیفکٹ ہیں، ان کا آغاز ۱۹۱۷ء سے ہوا، یہ پانچ سال کے بعد سود کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں، مگر ان کو درمیان میں بھی بھنایا جا سکتا ہے، ان پر ۲½ فی صدی سود در سود ملتا ہے اور یہ محصول آمدنی سے مستثنیٰ ہیں، ایک سرٹیفکیٹ کی قیمت آٹھ رُپے تیرہ آنے یا ۸۸ رُپے دو آنے ہوتی ہے جن کے ۵ سال میں دس یا سو رُپے ہو جاتے ہیں، ان کی میعاد گزرنے کے بعد ان پر سود نہیں ملتا، اور ان کی تجدید کرانا پڑتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میعاد کے اندر تو صرف تھوڑے سے سرٹیفکٹ بھنانے کے لیے آتے ہیں اور باقی رقم ڈاک خانے کے کاروبار میں لگی رہتی ہے مگر میعاد کے بعد ڈاک خانے کو تمام سرٹیفکٹوں کی رقم نقد رکھنا پڑتی ہے اور چونکہ یہ اس کے کسی کام نہیں آتی اس لیے وہ اس پر سود نہیں دیتا، ۱۹۳۰ء میں ان میں ۶۴ کرور ۴۰ لاکھ رُپیہ لگا ہوا تھا، مگر ۱۹۴۰ء میں اس کی تعداد ۴۶ کرور ۹۸ لاکھ رہ گئی، کمی کی ایک وجہ تو جنگ کی عام بے اطمینانی اور بے چینی تھی اور دوسرے جون ۱۹۴۰ء میں ڈاک خانے نے دس سالہ ڈیفینس سرٹیفکٹ جاری کیے اور اس طرح اُدھر کی کچھ رقمیں اِدھر منتقل ہو گئیں، ڈیفینس سرٹیفکٹ دس، پچاس، سو، پانسو اور ہزار رُپے کے ہوتے ہیں، ان پر ۳½ فی صدی سود در سود بلا محصول آمدنی کے ملتا ہے، مگر کوئی شخص پانچ ہزار سے زاید رقم کے یہ سرٹیفکٹ نہیں خرید سکتا، ۳۱ مارچ ۱۹۴۱ء تک

دو کرور ۱۴ لاکھ کے سرٹیفکیٹ فروخت ہوئے، اور چونکہ ان کو درمیان میں بھنایا جا سکتا ہے، لہٰذا ۱۲ لاکھ رُپے کے بھنا لیے گئے اور ۲ کرور ۲۹ لاکھ رُپیہ ڈاک خانوں میں محفوظ رہا۔ غریب آدمیوں کے لیے یہ سہولت رکھی گئی ہے کہ وہ چار آنے کا ایک ٹکٹ خرید کر اس کتاب پر چپکا لیں جو اسی غرض سے ڈاک خانہ بلا قیمت مہیا کرتا ہے اور جب چالیس ٹکٹ ہو جائیں تو اس کتاب کے بدلے ان کو دس رُپے والا ایک سرٹیفکیٹ مل سکتا ہے۔

عوام کو جنگ کے اخراجات میں حصّہ لینے کی خاطر پہلی اپریل ۱۹۴۱ء سے ڈاک خانے نے "ڈیفنس سیونگ بینک" کے نام سے ایک اور حساب کھولا ہے، اس میں لوگ اپنی رقمیں جمع کرا سکتے ہیں۔ مگر یہاں سے درمیان میں رقم واپس نہیں لی جا سکتی، بلکہ یہ رقم جنگ ختم ہونے کے ایک سال بعد واپس لی جا سکے گی، اس پر ۲ ½ فی صدی سود ملتا ہے جو ڈاک خانے کی امانتوں کی شرح سے ایک فی صدی زاید ہے، چونکہ ابھی سال ختم نہیں ہوا اس لیے نہیں معلوم کہ اس میں کتنی رقم لگی ہوئی ہے۔

بڑے بڑے شہروں میں مختلف بینک یا ان کی شاخیں ہوتی ہیں، اور ہر شخص اپنی سہولت اور خیال کے تحت آزاد ہے کہ جس بینک سے چاہے کاروبار کرے۔ اب اگر احمد کا حساب ایک بینک میں ہے اور اُسے کریم کو کچھ رقم دینا ہے، مگر کریم کا حساب ایک دوسرے بینک میں ہے تو کریم، احمد سے رقم کس طرح وصول کرے گا؟ اب ہوگا یہ کہ احمد اپنے بینک کے نام چک لکھ کر کریم کو دے دے گا اور کریم اس چک کو احمد کے بینک میں لے جانے کے بجائے خود اپنے بینک کے

پاس روانہ کردے گا، اور کریم کا بینک یہ رقم احمد کے بینک سے وصول کرکے کریم کے حساب میں جمع کردے گا۔

بظاہر یہ عمل بہت پیچیدہ معلوم ہوتا ہے مگر "حساب گھر" کے توسط سے یہ مسئلہ بالکل آسان ہو جاتی ہے، جس طرح بینک مختلف لوگوں کو ایک مرکز پر لاتا ہے، اسی طرح "حساب گھر" مختلف بینکوں کو ایک مرکز پر لے آتا ہے، ہوتا یہ ہے کہ ہر اس شہر میں جہاں مختلف بینک ہوتے ہیں وہاں ایک حساب گھر بھی ہوتا ہے اور ہر بینک کا حساب یہاں رہتا ہے، اب تمام بینکوں کے نمائندے روزانہ یا دوسرے تیسرے روز حساب گھر میں جمع ہوتے ہیں، اور اپنے ساتھ دوسرے بینکوں کے وہ چیک لے جاتے ہیں جو اسی بینک کے گاہکوں کو دوسرے بینکوں سے وصول ہوئے ہیں، اب ایک کاغذ پر حساب کیا جاتا ہے اس میں ایک طرف وہ رقمیں لکھی جاتی ہیں جو اس بینک کو دوسروں سے وصول ہونا ہیں اور دوسری طرف وہ رقمیں ہوتی ہیں جو اس کو دوسروں کو ادا کرنا ہیں، پھر ہر بینک کی وصول ہونے والی رقموں میں سے ادا ہونے والی رقم گھٹا دی جاتی ہے۔ یا رقم زاید ہونے کی صورت میں جوڑ دی جاتی ہے، اب جس بینک کو کسی دوسرے بینک سے کچھ رقم وصول کرنا ہے تو حساب گھر مرکزی بینک کے نام اس رقم کا چیک لکھ کر دے دیتا ہے، اگر صورت برعکس ہے تو بینک کا نمائندہ حساب گھر کے حق میں چیک لکھ دیتا ہے، اب مرکزی بینک میں تمام بینکوں کے علاوہ حساب گھر کا بھی حساب رہتا ہے اور اس طرح بڑی آسانی سے سارا حساب کتاب طے ہو جاتا ہے، اور حساب گھر کا حساب روزانہ برابر رہتا ہے، یعنی

جتنی رقم وہ دوسروں کو ادا کرتا ہے، اتنی ہی رقم اس کو دوسروں سے وصول ہو جاتی ہے۔

ہندستان میں چونکہ ابھی بینکوں نے کافی ترقی نہیں کی اس لیے یہاں حساب گھر بھی بہت کم ہیں چنانچہ ہندستان اور برما میں کل آٹھ حساب گھر ہیں، ریزرو بینک کے قیام سے پہلے امپیریل بینک کے توسط سے یہ کاروبار ہوتا تھا مگر اب ریزرو بینک بمبئی، دہلی، مدراس رنگون، لاہور، کراچی کے حساب گھروں کی نگرانی کرتا ہے، کلکتے کا حساب گھر کلیرنگ بینک ایسوسی ایشن کی جنرل کمیٹی کی نگرانی میں ہے اور کان پور کے حساب گھر کی نگرانی امپیریل بینک کے ذمے ہے، اگرچہ ریزرو بینک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ حساب گھروں کے قواعد مرتب کرے لیکن ریزرو بینک نے ابھی تک اس کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی، اور سارے حساب گھر اپنے پرانے قاعدوں کے تحت اطمینان بخش طریقے پر کام کر رہے ہیں، گزشتہ چند سالوں کے اعداد سے ان کے کاروبار کا اندازہ ہو سکے گا۔

	کلکتہ	بمبئی	مدراس	کراچی	رنگون	کانپور	لاہور
۱۹۳۸-۳۹ء	۹½ ارب	۷¾ ارب	۹۸ کرور	۳۲ کرور	۱۸ کرور	۱۱ کرور	۱۰ کرور
۱۹۳۹-۴۰ء	۱۱½ ارب	۸¾ ″	۹۱ ″	۳۴ ″	۲۰	[illegible]	[illegible]
۱۹۴۰-۴۱ء	۱۰ ″	۸ ″	۱ ارب	۴۰ ″	۱۷½	[illegible]	۱۲ ″

	دہلی	[illegible]	
۱۹۳۸-۳۹ء	۱۰ کرور	۱ ارب	۴۷ کرور
۱۹۳۹-۴۰ء	۲۰ ″	۱۴	۱۹ ″ ″

	دہلی	میزان
سنہ ۴۱-۱۹۴۰	۲۰ کرور	۲۱ ارب ۴۰ کرور

سنہ ۴۱-۱۹۴۰ء میں ان تمام حساب گھروں میں ایک کرور ساٹھ لاکھ سے زاید چک آئے جن کی مالیت ۲۱½ ارب رُپے کے قریب تھی اس سے پتا چلتا ہی کہ ہندُستان میں آہستہ آہستہ چکوں کا رواج بڑھ رہا ہی۔

آج کل جو بڑے بڑے کاروبار ہوتے ہیں وہ سب کسی ایک شخص کے سرمائے سے نہیں چلتے بلکہ مختلف لوگ چھوٹی چھوٹی رقمیں دے کر بڑے کاروبار کے حصّے دار یا مالک ہو جاتے ہیں، مگر ان میں سے بعض حصّے داروں کو اپنی ضرورتوں کے تحت رقموں کی واپسی کی ضرورت ہوتی ہی، یا وہ کسی دوسرے نفع بخش کاروبار میں اپنا رُپیہ لگانا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کو اپنے حصّے فروخت کرنے کی ضرورت ہوتی ہی، اس کے علاوہ بعض لوگ صرف حصّوں کی خرید و فروخت کا کاروبار ہی کرتے ہیں، یعنی جن حصّوں کی قیمت بڑھنے والی ہوتی ہی ان کو خریدتے ہیں اور جن کی قیمت گرنے والی ہوتی ہی ان کو فروخت کر دیتے، پھر بہت سے نئے نئے آدمی معتبر کاروبار کے حصّے خریدنے کی فکر میں رہتے ہیں، جن لوگوں کے ذریعے سے حصّوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہی ان کو دلّال یا کمیشن ایجنٹ کہا جاتا ہی، اور جہاں یہ کاروبار ہوتا ہی وہ اسٹاک اکسچینج کہلاتا ہی، ہندستان میں ان کی بھی کمی ہی اور صرف بمبئی اور کلکتہ اور مدراس میں اسٹاک اکسچینج قایم ہیں۔

بمبئی میں تقریباً ۵۰۴ بڑے دلال اور کمیشن ایجنٹ ہیں جو "بروکرس ہال" میں جو "شیرس اینڈ بروکرس ایسوسی ایشن" کی

جانب سے ۱۸۸۸ء میں خریدا گیا تھا، حصّوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے ہیں، ان کا خاص کاروبار ان سرمایہ مشترک والے بینکوں یا تجارتی کمپنیوں کے حصّوں کی خرید و فروخت ہے جن کا کاروبار صوبۂ بمبئی میں ہوتا ہے، پہلے ہر دلال کو پانچ روپے داخلے کی فیس دینا پڑتی تھی مگر اب وہ سات ہزار ہو گئی ہے، یہاں کے ہر رکن کو ایک کارڈ ملتا ہے، اس کی بھی قیمت ہوتی ہے، ۱۹۲۱ء میں ایک کارڈ کی قیمت چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی مگر آج کل اس کی قیمت ۲۲ ہزار ہے۔ اس کا رکن ہر ہندستانی نیز ایسا برطانوی باشندہ جو دس سال سے زاید عرصے سے صوبۂ بمبئی میں رہتا ہو، ہو سکتا ہے، مگر یہ ضروری ہے کہ درخواست دینے والے کو اسی وقت رکن بنایا جا سکتا ہے کہ جب ۳/۴ ارکان اس کی حمایت میں ہوں۔

بہت عرصے تک کلکتے کا حصّوں کا بازار کھلے میدان میں کاروبار کرتا رہا اور نہ یہ کسی قانون اور قواعد کا پابند تھا۔ ۱۹۰۸ء میں ایک انجمن بنی اور کاروبار کے قواعد بنائے گئے، ۱۹۲۳ء میں یہ ایک محدود کمپنی میں تبدیل ہو گئی، جس کا سرمایہ تین لاکھ روپے مقرر ہوا جو ایک ہزار کے حصّوں میں تقسیم کیا گیا، اس کے ۲۰۷ ارکان ہیں، ہر رکن کو ایک حصّہ خریدنا لازمی ہے، اب اس کی ایک بڑی خوبصورت عمارت بن گئی ہے، یہ جوٹ کے کارخانوں، کوئلے اور چائے کی کمپنیوں، ریلوں، کاغذ اور آٹے کی گرنیوں کے حصّوں، بلدیوں اور پورٹ ٹرسٹ کے تمسکات وغیرہ کا کاروبار کرتی ہے۔

جنوبی ہند میں دلالوں اور ایجنٹوں کا صرف ایک ہی مستند

ادارہ ہی جو "مدراس اسٹاک ایکسچینج" کے نام سے موسوم ہی، جس کی رجسٹری سنہ ۱۹۳۷ء میں ہوئی، اس کے ارکان دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک بانی رکن" کہلاتے ہیں جن کو پچاس روپے فیس داخلہ دینا پڑتی ہی، اور دوسرے معمولی جن کو ایک ہزار فیس دینا ہوتی ہی، اس کے علاوہ ہر رکن کو پچیس روپے ماہوار چندہ دینا پڑتا ہی، اور پانچ ہزار یا اس سے زاید رقم یہاں بطور امانت رکھنا پڑتی ہی، یہاں اٹھارہ کمپنیوں کے حصّوں کا کاروبار ہوتا ہی۔

جب کاروبار بڑے پیمانے پر ہوتا ہی تو اس کو مختلف خطروں مثلاً آگ، سیلاب اور چوری وغیرہ سے بچانے کی بھی ضرورت ہوتی ہی اس کے علاوہ قیمتی سامان کی بھی ٹوٹ پھوٹ سے حفاظت کی جاتی ہی اور اس کو جب اِدھر سے اُدھر بھیجا جاتا ہی تب بھی اس کی حفاظت کی ذمّے داری کرادی جاتی ہی، خود انسان اپنی جان کا بیمہ کراتا ہی تاکہ بڑھاپے میں کچھ رقم اس کے کام آئے یا اس کی موت کے بعد اس کے پس ماندگان کو کچھ رقم مل جائے اور انھیں مالی پریشانیوں کا سامنا نہ ہو، دوسرے ملکوں میں بیمے کی بڑی اہمیّت ہی مگر ہندستان میں ابھی اس کا کچھ زیادہ رواج نہیں ہوا، چنانچہ ہندستان میں جان کا بیمہ کرنے والی کمپنیوں کی سنہ ۱۹۳۹ء میں پندرہ لاکھ کے قریب پالیسیاں تھیں جن کی مجموعی رقم ۲ ارب ۸۰ لاکھ روپے تھی، اور قسطوں کی آمدنی ۱۴½ کروڑ کے برابر تھی، ان میں ہندستانی کمپنیوں کی پالیسیوں کی تعداد ۱۳ لاکھ، مجموعی رقم ۲ ارب ۱۰ کروڑ اور قسطوں کی آمدنی ۱۱ کروڑ روپے تھی۔ ۱۵ مئی سنہ ۱۹۴۱ء تک ہندستان میں بیمہ کرنے والی کمپنیوں

کی تعداد ۲۹۵ تھی، جن میں سے ۱۹۷ ہندستان میں قایم ہوئیں، ہندستانی کمپنیاں زیادہ تر جان کا بیمہ کرتی ہیں، چنانچہ ہندستانی کمپنیوں میں سے ۱۵۹ صرف جان کا بیمہ کرتی ہیں، ۱۸ جان کے بیمے کے ساتھ دوسرے بیمے بھی کرتی ہیں، ہندستانی کمپنیاں حسب ذیل صوبوں میں قایم ہیں:-

صوبۂ بمبئی	۶۳	پنجاب	۲۰	صوبۂ متوسط	۳	آسام	۱
بنگال	۵۳	دہلی	۱۲	بہار	۳	اجمیر مارواڑ	۱
مدراس	۳۰	متحدہ صوبے	۹	سندھ	۲	میزان	۱۹۷

چند ہندستانی کمپنیاں ہندستان سے باہر بھی کاروبار کرتی ہیں مگر ان کا کاروبار صرف برما، لنکا، مشرقی افریقہ اور ملایا کی ریاستوں تک محدود ہے، اس بیرونی کاروبار کی کل مقدار ۱۷ کرور رُپے کے قریب ہے۔

۱۹۲۹ء میں جان کے علاوہ دوسری قسم کے بیموں کی مجموعی مقدار ۳ کرور ۳۷ لاکھ رُپے تھی جس میں ہندستان کا حصّہ ایک کرور ۲ لاکھ رُپے تھا، اس کاروبار کی تفصیل یہ ہے۔

کاروبار	ہندستانی کمپنیوں کا حصّہ	غیر ہندستانی کمپنیوں کا حصّہ
آگ کا بیمہ	۴۸ لاکھ	ایک کرور ۵ لاکھ
سمندری بیمہ	۱۸ "	۷۷ "
متفرق بیمے	۳۶ "	۵۳ "
میزان	ایک کرور ۲ لاکھ	۲ کرور ۳۵ لاکھ

گیارھواں باب

دیسی بینکار

جیسا کہ بتایا جا چکا ہی ہندستان کی آبادی اور وسعت کو دیکھتے ہوے
یہاں بینک اور ان کی شاخیں بہت کم ہیں، مگر جس طرح آٹے، دال،
گڑ اور نمک کا کاروبار بڑے شہر سے لے کر چھوٹے گانو تک ہوتا ہی
اسی طرح رُپے کا لین دین بھی ہر جگہ ہوتا ہی، فرق صرف یہ ہی کہ اگر
شہروں اور بڑے قصبوں میں یہ کام بینک اور ان کی شاخیں کرتی
ہیں تو دیہات میں ساہوکار، صرّاف، مارواڑی، بنیے، مہاجن یہ
خدمت انجام دیتے ہیں، اگر اس وسیع دائرے میں ایک طرف حیدرآباد
کا رگھوناتھ مل بینک (اس کی رجسٹری نہیں ہوئی اور یہ ایک خانگی
بینک ہی) ہی جس کی حیدرآباد اور سکندرآباد میں ایک ایک شاخ
ہی اور جس کی ایجنسیاں ہندستان کے بڑے بڑے شہروں میں قایم
ہیں اور جو ایسے تمام کام کرتا ہی جو ہمارے موجودہ رجسٹری شدہ
بینک کرتے ہیں، تو دوسری طرف وہ معمولی بنیے ہیں جو کسی دور
اُفتادہ گانو میں میلی سی دھوتی باندھے، میلے چکٹ گدوں پر بیٹھے
تاگے سے بندھی ہوئی عینکیں لگائے، کالی سیاہی کے قلمدان سامنے رکھے
سُرخ سُرخ کتابوں پر لکھتے پڑھتے اور تازہ سیاہی پر ریت
چھڑکتے نظر آتے ہیں ان خاکسار اور نیازمند انسانوں میں سے بعض

کا کاروبار لاکھوں تک پہنچ جاتا ہی، اور یہی دایرہ جب اور مختصر ہوتا ہی تو اس میں ذات پات کی تمیز ہی اُٹھ جاتی ہی اور ہر مقام پر مختلف ذاتوں اور قوموں کے لوگ مصروف نظر آتے ہیں، مثلاً حیدر آباد میں چاؤش (عرب کے بدو) بہار، اڑیسہ میں ناگاس۔ صوبۂ متحدہ میں گوشائیں، پنجاب اور دکن میں روہیلے، پٹھان اور کابلی راجپوتانے میں ملتانی، جنوبی ہند میں چیٹی (Chetties) آسام میں ریل کے سابق قلی (Ex-coolies) فوجی چھاونیوں میں پنشن خوار یہ کام کرتے دکھائی دیتے ہیں، بلکہ ایل، سی جین تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ میرٹھ، مظفر نگر اور سہارن پور کے ضلعوں میں عورتوں کی بڑی تعداد اس پیشے میں مصروف نظر آتی ہی۔

اصل میں ان لوگوں کی ٹھیک تقسیم بہت مشکل ہی، آسانی کی خاطر اور ان کے کاروبار کو سمجھنے کے لیے ان کو حسب ذیل تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہی:-

(۱) وہ لوگ جو قرض دینے کے علاوہ امانتیں بھی رکھتے ہیں، ہنڈیوں کا کاروبار کرتے ہیں، بلا ضمانت کم قرض دیتے ہیں ان کے مؤکل کچھ پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگ ہوتے ہیں، ان کا کاروبار شہروں میں بھی ہوتا ہی اور ان کی شرح سود بھی بہت زیادہ نہیں ہوتی، ان کو "دیسی بینکار" کہا جاتا ہی

(۲) وہ لوگ جو امانتیں بالکل نہیں رکھتے اور نہ ہنڈیوں کا کاروبار کرتے ہیں، پیداوری کاموں کے علاوہ "صرف" یعنی خرچ کے لیے زیادہ قرض دیتے ہیں، نقد رقم کے علاوہ غلّہ بھی

قرض دیتے ہیں شرح سود زیادہ ہوتی ہی، ان کو مقامی اعتبار سے ساہوکار
صراف، سیٹھ، مہاجن، بنّیا اور ملتانی کہتے ہیں
(۳) وہ لوگ جو صرف "صرف" یعنی خرچ ہی کے لیے قرض دیتے ہیں
مثلاً کارخانوں اور گرنیوں کے مزدوروں، ریلوں کے قلیوں
ادنیٰ ملازموں، یا چلرفروشوں، خوانچے والوں، پھیری
لگانے والوں، یا دوسرے معمولی کاروبار کرنے والوں کو ان کی
روزمرہ ضرورتوں کے لیے قرض دیتے ہیں، ان کی رقمیں
بہت چھوٹی اور معمولی ہوتی ہیں مگر شرح سود بہت زیادہ
ہوتی ہی[له]، اور یہ سود بجائے سینکڑے اور سالانہ کے فی روپیہ

له معمولی شرح سود کی زیادتی کا ایک سبب یہ بھی ہی کہ یہ خالص سود نہیں ہی بلکہ اس میں "اجرت" بھی شامل ہی، پھیری والوں، چلرفروشوں وغیرہ کو قرض دینے والے اگر آرام سے اپنے گھر بیٹھے رہیں تو ان کا بہت کچھ اصل ڈوب جائے، وہ دکان دکان اور بازار بازار پھر کر ان سے سود وصول کرتے ہیں، کبھی کبھی وہ سہ پہر سے شام تک شہر کے مختلف حصّوں میں گشت لگا کر قرض لینے والوں کو نگاہ میں رکھتے ہیں اور انھیں "کھسک" کر نکل جانے کا موقع نہیں دیتے جو اس قسم کے قرض لینے والوں کی عادت ثانیہ ہوتی ہی، حیدرآباد میں ایک عرب نژاد ملکی نے میرے ایک استاد سے کہا تھا کہ اسے روزانہ تقریباً آٹھ دس میل گھومنا پڑتا ہی اور بعض بعض مرتبہ گھنٹوں تاک میں رہنا پڑتا ہی، یہ نہیں ہوتا کہ صبح باڑدی (معمولی پھلوں کا کاروبار کرنے والے) چلرفروش، پھیری والے آئے اور

اور ماہوار، ہفتے وار یا روزانہ کے حساب سے وصول کرتے ہیں، ان کو اپنی اصل رقم وصول کرنے کی زیادہ فکر نہیں ہوتی بلکہ یہ صرف سود وصول کرتے رہنا چاہتے ہیں، اس لیے یہ مثل مشہور ہے کہ "مول سے بیاج پیارا"۔

گو ہم نے ان تینوں طبقوں میں فرق کیا ہے مگر عملی حیثیت سے یہ فرق بہت مشکل ہے، بالخصوص پہلے دو گروہوں میں کوئی خاص تمیز نہیں کی جا سکتی، چنانچہ مسٹر عطاء اللہ اپنی انگریزی کتاب "پنجاب میں امدادِ باہمی کی تحریک" کے صفحے ۵۲ پر لکھتے ہیں۔

"ہندوستانی بینکار اور ساہوکار میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے اور ان دونوں میں تمیز کرنا بہت مشکل ہے، اگر ساہوکار اپنے پیشے کے علاوہ تجارت کرتا ہے تو بینکار بھی ایسا ہی کرتا ہے۔ امتیازی صورت صرف یہی باقی رہ جاتی ہے

رُپے لے گئے اور شام کو یا ہر ہفتے یا ہر مہینے حسب وعدہ پورا قرض مع سود ادا کر گئے یا نیا معاملہ طے کر کے قرض دینے والے کو مطمئن کر گئے ان معمولی حیثیت کے لوگوں کو سود حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے گویا یہ سود خام سود نہیں ہوتا بلکہ "اُجرت آمیز سود" ہے، گو یہ اصطلاح نئی ہے مگر اس نوعیت کے کاروبار کو ظاہر کرنے کے لیے صحیح ہے بعض وقت قرض لینے اور دینے والوں میں گالی گلوچ دنگے فساد اور مار پیٹ کی نوبت بھی آجاتی ہے، لہٰذا ان سب باتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کی شرح سود کی زیادتی بڑی حد تک ناجائز نہیں ہوتی۔

کہ ساہوکار کے ہاں بینکاری بالکل ابتدائی درجے میں ہوتی ہے اور بینکار کے ہاں اس کی صورت بہت کچھ منظم ہوجاتی ہے۔"

ایل ،سی جین اپنی کتاب "ہندستان میں اِنڈجنس بینکنگ" میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب دیسی بینکار بھی وہی کام کرتے ہیں جو ہمارے بینک کرتے ہیں تو پھر ان میں اور مغربی ملکوں کے منظم بینکوں میں کیا فرق ہے؟ اس سلسلے میں وہ تین فرق بتاتے ہیں پہلا یہ کہ بینکاروں کے پاس امانتوں کی مقدار کل کاروباری سرمائے کے لحاظ سے بہت کم ہوتی ہے، مگر منظم بینکوں کا انحصار ہی امانتوں پر ہے ، دوسرے منظم بینک نقد رقم کی شکل میں رُپیہ بہت کم ادا کرتے ہیں ان کی ادائیاں چکوں کی صورت میں ہوتی ہیں، مگر ہندستانی بینکار نقد رُپیہ ادا کرتے ہیں ، اگرچہ بعض بینکاروں کے پاس چیک اور پاس بکوں (حسابی کتابوں) کا رواج ہوتا ہے مگر ان کا چلن صرف مقامی علاقے تک محدود ہوتا ہے ، تیسرے یہ کہ ہندستانی بینکار رُپے کے لین دین کے علاوہ دوسرے کاروبار بھی کرتے ہیں اور بینک صرف رُپے کے لین دین تک محدود ہوتے ہیں ، اگرچہ ابتدا میں یہ بینک بھی ایسا ہی کرتے تھے مگر اب وہ صرف رُپے کا کاروبار کرتے ہیں۔

بہرحال ہندستان میں بینکاری کسی ایک ذات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مختلف ذاتیں مثلاً جینی ، مارواڑی ، ملتانی ، بنیے اور چیٹی وغیرہ ہیں مگر ان میں سب سے زیادہ منظم ناتوکوتیا چیٹی

ہیں، ان کی شاخیں ہندوستان سے باہر بھی پھیلی ہوئی ہیں، جہاں ان کے نیم کام کرتے ہیں اور ماہوار یا ہفتے وار رپورٹ اپنے مالکوں کو بھیجتے رہتے ہیں، ہندستانی بینکار عموماً انگریزی سے نا واقف ہوتے ہیں اور نہ یہ کسی مدرسے اور کالج میں پڑھتے ہیں بلکہ ان کی تعلیم گھر پر ہوتی ہی، جب لڑکا بارہ سال کا ہوجاتا ہی تو باپ کی دکان پر بہ حیثیت ملازم کام کرنے لگتا ہی، دو چار سال بعد اس کی شادی ہو جاتی ہی، اب وہ اپنا کاروبار الگ شروع کر دیتا ہی، ان کی بعض ذاتوں میں روپیہ پیدا کرنے کا جذبہ اس قدر غالب ہی کہ ان کی عورتیں بھی دوسری عورتوں میں روپے کا لین دین کرتی ہیں، بعض ذاتوں میں ان کی اپنی انجمنیں بھی ہوتی ہیں، جن کے قواعد بہت معمولی ہوتے ہیں، ان کا حسابی سال ۱۵ کارتک بدی سے شروع ہوتا ہی، جس دن دیوالی ہوتی ہی، اور یہ "لچھمی" دیوی کی پوجا کرتے ہیں، لچھمی، دھن دولت اور خوش حالی کی دیوی ہی، یہ لوگ عام طور پر بات کے پکے اور زبان کے سچے ہوتے ہیں، حسابی معاملے میں کچھ رو رعایت نہیں کرتے اور اس مثل پر پورے طور پر عمل کرتے ہیں۔ "حساب جو جو بخشش سو سو"۔ Nattu Kottia chetties

صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کا کس قدر سرمایہ کاروبار میں لگا ہوا ہی، مگر زراعت، اندرونی تجارت، اور چھوٹی چھوٹی صنعتوں میں انھی ہی کا روپیہ لگا ہوا ہی، صوبائی بینکنگ کی تحقیقات کرنے والی کمیٹیوں کے اندازوں کے مطابق ۱۹۲۹ء میں برطانوی ہند کے زرعی قرضے کی مقدار ۹ ارب کے قریب تھی، اس مقدار

کا بڑا حصّہ انھی لوگوں کے سرمائے پر مشتمل ہے، اندرونی تجارت اور چھوٹی صنعتیں اس کے علاوہ ہیں۔

یہ لوگ پرامیسری نوٹوں، رسیدوں، دستاویزوں کی شکل میں قرض دیتے ہیں اور چیزوں کی ضمانت پر بھی قرض دیتے ہیں، پرامیسری نوٹ میں قرض لینے والا ایک تحریر لکھ دیتا ہے جس میں شرح سود بھی درج ہوتی ہے، اس پر ٹکٹ بھی لگانا پڑتا ہے، رسید میں صرف رقم وصول ہونے کی تحریر ہوتی ہے، دستاویز میں کل رقم، شرح سود، اور مدت وغیرہ بھی درج ہوتی ہے، مکان اور زمین رہن کرکے بھی قرض دیا جاتا ہے، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ چیزیں رہن کرنے والے کے قبضے میں رہتی ہیں۔ ایسی صورت میں اس کو مکان کا کرایہ یا زمین کا لگان دینا پڑتا ہے، دوسرے یہ کہ ان پر بنیکار کا قبضہ ہوجاتا ہے اور کرایہ یا لگان وہی وصول کرتا ہے چاندی، سونے اور ان کے بنے ہوئے زیوروں پر بھی قرض ملتا ہے سونے کی صورت میں اصلی قیمت کے آدھے سے کچھ زاید اور چاندی کی شکل میں آدھی سے کچھ کم رقم قرض مل جاتی ہے، بعض وقت چیزیں رہن بالوفا کردی جاتی ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر رقم معینہ مدت کے اندر ادا کرکے چیز نہ چھڑالی گئی تو وہ بنیکار کی ہوجائے گی۔

ماہوار یا روزانہ قسطوں پر بھی قرض ملتا ہے، مگر قسطوں کی صورت میں اصل مدت میں اضافہ کردیا جاتا ہے، مثلاً ایک شخص نے سو رُپے قرض لیے اب وہ ان کو دس رُپے ماہانہ کے حساب سے دس ماہ میں ادا کرسکتا ہے لیکن اس کو بارہ ماہ تک قسطیں ادا کرنا ہوں گی

قرض دینے کا ایک اور طریقہ "ہاتھ اُدھار" کہلاتا ہے، یہاں بغیر کسی دستاویز، تحریر یا گواہ کے قرض مل جاتا ہے مگر یہ رقم صرف ایسے لوگوں کو مل سکتی ہے جن کی ساکھ بہت اچھی ہے، قرض لینے والے کو رقم لیتے وقت چاند، سورج یا اپنی اولاد کی قسم کھانی پڑتی ہے، اور ان قرضوں میں کبھی بے ایمانی نہیں ہوتی، شاید اس کی وجہ عقیدے کی کمزوری ہو کہ اگر قسم کے خلاف کیا گیا تو مصیبت کا سامنا ہوگا۔

زرعی قرضوں میں بیج کا لین دین عام ہے۔ بیج لیتے وقت یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ فصل پر سوایا، ڈیوڑھا یا دُگنا غلہ دیا جائے گا، بعض وقت بٹائی کا وعدہ ہوتا ہے، یعنی جتنا غلہ پیدا ہوگا اس میں سے نصف ساہوکار کا ہوگا اور نصف قرض لینے والے کے پاس بچ رہے گا، کبھی قرض لینے والے کو یہ وعدہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی پیدا وار بینکار کے ہاتھ ہی فروخت کرے گا، اور کبھی کبھی یہ سودا فصل کے کٹنے سے پہلے ہی ہوجاتا ہے۔

اکثر لوگ اپنی زاید رقمیں ان کے پاس محفوظ کرا دیتے ہیں، مگر ان کی امانتوں کی مجموعی مقدار زیادہ نہیں ہوتی، ان کے ہاں چالو کھاتوں اور معیّنہ مدت والی امانتوں کی شرح سود میں فرق ہوتا ہے، مثلاً آسام میں پہلی رقم پر چار سے نو فی صدی اور دوسری رقموں پر چھ سے ½۱۷ فی صدی تک سودا کیا جاتا ہے، بمبئی میں گرم بازاری کے زمانے میں شرح چار سے چھ اور سرد بازاری کے زمانے میں تین سے چار فی صدی تک رہتی ہے، بنگال میں چھ سے بارہ رُپئے تک سود ملتا ہے، اجمیر اور دہلی کے بینکار یا تو امانتیں بالکل نہیں رکھتے یا صرف اپنے رشتے داروں اور دوستوں کی رقمیں

بطور امانت محفوظ رکھتے ہیں۔

یہ لوگ ہُنڈی کا کاروبار بھی کرتے ہیں، چونکہ ہُنڈی کا طریقہ ملک میں بہت قدیم زمانے سے جاری ہے، اس لیے یہ لوگ اس کام سے خوب واقف ہیں، پھر ہندستان میں ہُنڈی کی "واپسی" کو بہت معیوب سمجھا جاتا ہے اور وہ ہمیشہ ادا ہو جاتی ہے اس لیے اس کام میں خطرے کم ہیں، یہ ان کی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ ہے۔

ان کے پاس حساب کتاب کی مختلف کتابیں ہوتی ہیں جن کو "بہی" کہا جاتا ہے، مثلاً ردکڑ بہی، نقل بہی، کھاتا بہی، بیاج بہی، روزنامچہ وغیرہ کھاتا بہی اور روزنامچے میں ایک طرف وہ رقمیں لکھی جاتی ہیں جو انھوں نے دی ہیں اور دوسری طرف وہ رقمیں درج کی جاتی ہیں جو آج ان کو وصول ہوئیں، روزانہ شام کو حساب ہونے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ آج کتنا کاروبار ہوا، بعضوں کے ہاں سود بہی یا بیاج بہی کے نام سے ایک الگ کتاب ہوتی ہے جس میں صرف سود کا حساب درج ہوتا ہے ہر بنیکار کے کاروبار کے حساب رکھنے کا طریقہ الگ ہوتا ہے چنانچہ ایک ہی شہر میں بڑے بڑے بنیکار اپنے حساب دوسروں سے الگ رکھتے ہیں، مثلاً جین نے بتایا ہے کہ صرف پنجاب میں پندرہ ہزار قسم کے مختلف حسابی طریقے رائج ہیں، بعض لوگوں کے ہاں خفیہ نشان اور علامتیں بھی ہوتی ہیں، جو ان کے مخصوص حسابی طریقوں میں مدد دیتی ہیں۔

ہر بنیکار کے ہاں شرح سود مختلف ہوتی ہے، اگر قرض لینے والا صاحبِ اعتماد ہے تو شرح آٹھ سے بارہ فی صدی ہوتی ہے،

اگر معمولی شخص ہے تو بارہ سے ½۳۷ فی صدی اور جس کاروبار میں خطرے زیادہ ہوں وہاں پچاس سے سو فی صدی تک سود لیا جاتا ہے۔ بگڑے ہوئے زمینداروں، تعلقے داروں اور جاگیرداروں سے بھی سود زیادہ لیا جاتا ہے، زیوروں کی ضمانت پر جو قرض لیا جاتا ہے اس کی شرح ½۷ سے ۱۸ فی صدی تک ہوتی ہے، ہنڈیوں کی شرح بھی بازاری حالتوں، مقامی ضرورتوں اور گرم و سرد بازاری کے تحت بدلتی رہتی ہے، چنانچہ یہ ہنڈیوں پر ۶ سے ½۱۲ فی صدی تک بٹا کاٹتے ہیں، گو بعض صورتوں میں ان کی شرح سود بہت زیادہ ہے مگر عدالت کسی صورت میں ۶ فی صدی سود سے زائد کو تسلیم نہیں کرتی۔

اوّل تو ان کی شرح سود ہی زیادہ ہوتی ہے پھر اس پر طرہ یہ کہ بعض اور جائز اور ناجائز طریقوں سے اپنے موکلوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگ دس روپے پر چار آنے یا ڈھائی روپے سیکڑہ "لکھائی" وصول کرتے ہیں اور جب تک یہ رقم وصول نہ ہو قرض نہیں ملتا، کان پور میں ڈھائی روپے سیکڑہ "گنگا جی" کے نام سے بطور خیرات وصول کیا جاتا ہے، وسط ہند میں "نربدا مائی" کے نام سے رقم مانگی جاتی ہے، دوسرے مقامات پر مندروں، دیوتوں اور گئو شالوں کے نام سے رقم جمع کی جاتی ہے، بعض لوگ قرض لیتے وقت "دستوری" (دستور کے مطابق) نذرانہ "گرہ کھلائی" (روپے کی تھیلی کی گرہ کا کھولنا) کے ناموں سے رقم وصول کرتے ہیں۔ بنگال میں بعض ساہوکار خود ہی دلالی کے نام سے ۲۵ روپے سے ۵۰ روپے

سینکڑہ تک وصول کر لیتے ہیں بعض وقت قرض لینے والے کو مجبور کیا جاتا ہی کہ وہ بینکار کے بعض کام مفت کرے، اگر وہ کاشتکار ہی تو اس کے جانوروں کو اپنے کھیتوں پر رکھے، یا بینکار کے گھر چارہ، لکڑی، ترکاریاں اور پھل وغیرہ مفت پہنچاتے، اگرچہ ان لوگوں کو تہواروں پر انعام واکرام مل جاتا ہی مگر چیزوں کی قیمت نہیں ملتی، بعض بینکار اپنے موکلوں کو گھی یا دودھ کی "بنڈور" باندھنے پر مجبور کرتے ہیں اور ان کی قیمت بہت کم یا بالکل نہیں دیتے، بعض بینکار اپنے معمولی موکلوں سے گھر کے کام مثلاً سالانہ صفائی، لیپائی، پوتائی لکڑیوں کی کٹائی وغیرہ میں مدد لیتے ہیں، جہاں بینکار خود بھی کاشت کرتے ہیں وہاں ان کے مویشی اور ہل بکھر اپنی زمینوں میں چلاتے ہیں، اور ان ہی کی گاڑیوں میں اپنا غلہ منڈیوں تک بھیجتے ہیں۔

ان ساہوکاروں کے نقصانات بھی ہیں مثلاً ایک چونکہ ان کا ذاتی سرمایہ کاروبار میں لگا ہی اس سے ملک کے قومی سرمائے کو نقصان پہنچتا ہی، اور لوگوں کو اپنی رقمیں بطورِ امانت رکھنے کی ترغیب نہیں ہوتی، کیونکہ دیہات میں ان کے سوا اور کوئی ادارہ ایسا نہیں جہاں رقم امانت رکھی جاسکے، دوسرے یہ اپنی اعلیٰ شرح سود اور مزید مطالبوں سے عوام کو نقصان پہنچاتے ہیں اور ان کی کمزوریوں سے ناجائز فایدہ اٹھاتے ہیں جو ہرگز مناسب نہیں کبھی یہ ان کی زمینوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور کاشتکاروں کو زرعی مزدوروں میں تبدیل کر دیتے ہیں، اس لین دین کی وجہ سے کاشت کاروں کی آمدنی کا بڑا حصّہ ان کی جیب میں چلا جاتا ہی، اور اس سے ان کی زراعت اور معیارِ زندگی کو

نقصان پہنچاتا ہی، پھر ان کی وجہ سے ملک میں کوئی منظم "بازارِ زر" پیدا
نہیں ہوسکتا، کیونکہ نہ تو ان کے ذخیرے ریزو بینک کے پاس محفوظ
ہیں اور نہ کسی اور طریقے سے ان میں اور دوسرے بینکوں میں کوئی
تعلق ہی، اور اچھے بازارِ زر کی عدم موجودگی ملک کی تجارت، صنعت
اور زراعت سب ہی کے لیے غیر مفید ہی۔

یہ ٹھیک ہی کہ ان کی شرح سود زیادہ ہوتی ہی مگر اس میں
چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہی، پہلے تو ہمارے کاشتکاروں
کی ساکھ بہت معمولی ہوتی ہی اور ان کے پاس ضمانت کے واسطے
کوئی معقول چیز نہیں ہوتی، پھر ان کو چھوٹی چھوٹی رقموں کی
مختلف اوقات میں ضرورت ہوتی ہی جو بینکوں سے پوری
نہیں ہوسکتیں، اس کے علاوہ اکثر ان کو شادی بیاہ یا دوسری
تقریبیں کرنے کے لیے بھی روپے کی ضرورت ہوتی ہی، مگر بینک ایسے
غیر پیداور کاموں کے لیے قرض نہیں دیتے، مگر ساہوکار ایسا
قرض بھی دیتے ہیں، یہاں اصل ڈوب جانے کا بھی کافی خطرہ
ہی، چنانچہ اکثر ساہوکاروں کی کافی رقمیں ڈوبن کھاتے میں ہیں
یا صرف ان کا سود وصول ہو رہا ہی اور سرمائے کے وصول
ہونے کی کوئی توقع نہیں، پھر ان کو رقموں کی وصولی کے لیے
ملازم رکھنا پڑتے ہیں، اور کبھی کبھی مقدمے بازی کا خرچ بھی
برداشت کرنا پڑتا ہی، اس طرح ان کی شرح سود میں بہت سی
چیزیں شامل ہوجاتی ہیں اور اس کو خالص سود نہیں کہہ سکتے۔

دوسری بات دیسی ساہوکارے کی موافقت میں یہ بھی

جا سکتی ہی کہ بینکوں سے لین دین کرنے میں ضابطوں اور قاعدوں کی وجہ سے جھنجٹ زیادہ ہوتی ہی، مگر ساہوکار کے یہاں یہ بات بہت کم ہی، اکثر ساہوکار بات کے پکّے اور زبان کے سچے ہوتے ہیں اور آڑے وقتوں میں بھی کام آتے ہیں، خلوص، دیانت مروّت جو ہندُستانی تہذیب کی نمایاں خصوصیتیں تھیں وہ کچھ کچھ اب بھی ان میں پائی جاتی ہیں۔ یورپی طرز کی بینکاری میں بے دردی اور مشینی قسم کی غیر متعلقی پائی جاتی ہی، خوش سلوکی بھی ہمارے ساہوکار کی خصوصیت ہی، بعض مرتبہ یہ لوگ غیر سودی قرض بھی دیتے ہیں، مثلاً حیدرآباد میں لمباڑوں (ایک خانہ بدوش قسم کی قوم جو مویشیوں یا دوسری قسم کی معمولی تجارت کرتی ہی) کو شادی کے موقعوں پر غیر سودی قرض دیا جاتا ہی، گویا اس سے پتا چلتا ہی کہ پیداوار اغراض کے لیے سودی اور معقول سماجی اغراض کے لیے غیر سودی قرض کا بھی دستور پایا جاتا ہی۔

بہرحال یہ تو سب تسلیم کرتے ہیں کہ ہندُستانی بینکار عوام کا خون چوستے ہیں، غریبوں اور حاجت مندوں کی کمزوریوں سے ناجائز فایدہ اٹھاتے ہیں، مگر اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ملک کی ساری زراعت اندرونی تجارت اور صنعت وحرفت کا کچھ حصّہ انھی کے بل بوتے پر چل رہا ہی ہندُستان کے سات لاکھ دیہات میں کہیں بینک کی شاخ نہیں اڑھائی ہزار بڑی آبادیوں میں سے صرف چار سو آبادیاں ایسی ہیں جہاں منظم بینک یا ان کی شاخیں ہیں، اس وجہ سے ان کا

وجود ضروری معلوم ہوتا ہے، چنانچہ بینکاری کی صوبائی کمیٹیوں
اور مرکزی کمیٹی نے ان کے وجود کو ضروری خیال کیا، البتہ یہ
سفارش کی کہ ریزرو بینک سے ان کا الحاق ہونا چاہیے، تاکہ ان
کے وہ نقصانات کم ہوجائیں جو ان کی وجہ سے ملک کو پہنچتے ہیں
اور ان کی موافقت میں بہت سی سفارشیں کی تھیں، مگر ایک طرف
تو خود یہ بینکار اپنی آزادی کو محدود نہیں کرنا چاہتے، دوسری طرف
جب ریزرو بینک قایم ہوگیا تو اس نے تحقیقات کے بعد ان کو اپنے
ساتھ شامل کرنے پر کچھ زیادہ رضامندی کا اظہار نہیں کیا، چنانچہ
دیسی بینکار آزادانہ طور پر ملک کے کاروبار میں حصہ لے رہے ہیں
اور خوب نفع کما رہے ہیں۔

بارھواں باب

بینکوں کے بعض مسایل

کسی دوسرے کے مکان میں اگر ہم رہتے ہیں تو اس کے استعمال کا معاوضہ کرائے کی صورت میں اداکرتے ہیں، اسی طرح جب کسی دوسرے کی رقم کو ہم اپنے کسی استعمال میں لاتے ہیں تو اس کا معاوضہ سود کی شکل میں اداکرتے ہیں، بات ایک ہی ہی، مگر یہ مسٔلہ بڑے قدیم زمانے سے بحث و مباحثہ کا موضوع رہا ہی، اس چھوٹی سی کتاب میں اس اہم مسٔلے پر تفصیلی طور پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی، تاہم مختصر طور پر یہ بتانے کی کوشش کی جائے گی کہ سود اور ربا کیا ہی؟ اور در اصل ان دونوں لفظوں کو غلط سلط کر دینے سے یہ دشواریاں پیدا ہوتی ہیں اور جس قدر ربا ناجائز ہی اسی قدر سود ضروری اور جائز ہی۔

سود کی بحث کا پتا بہت قدیم زمانے سے چلتا ہی، قرآن، وید، انجیل، توریت، پرانے فلاسفروں اور قانون سازوں کے یہاں اس کا ذکر موجود ہی، قرآن نے ربا کو حرام قرار دیا ہی اور ربا کے لینے اور دینے والے دونوں گناہ گار ہیں، انجیل اور توریت میں بھی اس کی ممانعت ہی، وید بھی سود کے خلاف ہی، البتہ ان کے ہاں اتنی اجازت ہی کہ اجنبیوں اور مشتبہ آدمیوں سے سود لیا جاسکتا ہی، لیکن وہاں بھی چند شرطیں تھیں یعنی بادشاہ کی سالگرہ

کے موقع پر یا نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر یا اصل کی رقم دوگنی ہونے کی صورت میں مزید سود کا لینا روک دیا جاتا تھا، روما کے قانون سازوں نے بھی ربا کو قانوناً ناجائز قرار دیا۔ البتہ اتنی رعایت رکھی تھی کہ اگر کوئی چیز قرض فروخت کی جائے تو بیچنے والا نقد رقم کے مقابلے میں اس کی قیمت میں تھوڑا سا اضافہ کر سکتا ہے۔

اُس زمانے میں سود کی ممانعت کی ایک وجہ یہ تھی کہ آبادیاں چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں اور قرض لینے اور دینے والے ایک ہی خاندان یا قبیلے کے لوگ ہوتے تھے، اور قرض سے آپس کی محبت اور خلوص میں فرق آجاتا تھا، دوسرے چونکہ صرف افراد قرض کا لین دین کرتے تھے اور کاروبار کرنے والے ایک دوسرے کے سامنے ہوتے تھے اس لیے قرض دینے والے کا احساسِ برتری اور قرض لینے والے کا احساسِ کمتری نہ صرف افراد تک محدود رہتا تھا بلکہ خاندانوں اور قبیلوں تک پھیل جاتا تھا، تیسرے اس زمانے میں اشتراکِ خاندان کا رواج تھا اور افراد کے بجائے خاندان کو معاشرے کی اکائی سمجھا جاتا تھا، لہذا اس طرح خاندانوں کی مخالفت مجموعی حیثیت سے قبیلوں میں منافرت پیدا کر کے سیاسی کمزوریاں پیدا کر دیا کرتی تھی۔ پھر اس زمانے میں نہ کاروبار اتنے بڑے پیمانے پر ہوتے تھے، اور نہ مشینوں کا رواج تھا، صنعت و حرفت اور زراعت کا دایرہ بہت ہی چھوٹا ہوتا تھا، آمدورفت اور نقل و حمل کے ایسے آسان ذرایع موجود نہ تھے اس لیے تجارت بھی محدود تھی، اس وجہ سے کثیر سرمائے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اس وقت دولت

کے اندوختے پیدا وار کاموں میں استعمال نہ ہوتے تھے بلکہ وہ محض دولت کے طور پر صرف کرنے کے لیے قرض لیے جاتے تھے، اور اس بہانے سے چالاک آدمی غریبوں اور ضرورت مندوں کو اپنے قابو میں کرلیا کرتے تھے، سود ان کی آمدنیوں پر ایک طرح کا بار ہوتا تھا، اس وجہ سے سود کی ممانعت ضروری تھی اور یہ ممانعت صحیح بھی تھی کیونکہ اس وقت تک زر کی پیداواری کا مفہوم لوگوں کے دماغ میں موجود نہ تھا، چنانچہ ارسطو سود کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ وہ زر کو بانجھ مرغی سے تشبیہہ دیتا ہے، یا روما کی قدیم سلطنت میں ۳۴۱ سنہ قبل مسیح جنیوسی کے قانون کی رو سے سود لینا قطعی ممنوع قرار پایا، مگر اس کے کچھ عرصے بعد جسٹی نیٹن نے ایک قانون وضع کرکے سود در سود کی تو ممانعت کی مگر بعض صورتوں میں سود کی اجازت دے دی اور وجہ یہ بتائی کہ پہلے سود کی ممانعت اس وجہ سے ہوئی تھی کہ قوم کی حالت بڑی خراب وخستہ تھی، مگر اب تاجرانہ کاروبار نے کافی ترقی کرلی ہے، لہٰذا تجارتی اغراض کے لیے مناسب شرح پر سود کا لین دین جائز ہے

اس سلسلے میں ایک اور بات کا پتا چلتا ہے کہ اگر عوام سود دینے کے لیے تیار ہوں تو قانون کے ذریعہ ان کو روکا نہیں جاسکتا، چنانچہ جب روما میں جنیوسی کا قانون رائج تھا تو لوگ طرح طرح کی ترکیبوں سے سود لیا کرتے تھے، یا قرونِ وسطیٰ میں جب مسیحی مقننوں نے سود کے لین دین کو ممنوع قرار دیا تب بھی ایسا ہی ہوتا تھا اور قانون سے بچنے کے لیے سود کی شکل بدل دی

جاتی تھی، مثلاً تحفوں کی صورت میں سود لیا جاتا تھا یا، ایک اور ترکیب یہ ہوتی تھی کہ قرض لینے والا اپنی کوئی چیز قرض دینے والے کے ہاتھ فروخت کرکے رُپئے لے لیتا تھا اور جب رُپئے واپس کرنے کا وقت آتا تو اس چیز کی زیادہ قیمت دے کر پھر واپس خرید لیتا تھا یا مسلمانوں کے ہاں سود لینے کو بُرا سمجھا جاتا ہے مگر عوام نے ایک ترکیب یہ نکالی ہے کہ سود لینا بُرا ہے مگر سود دینا معیوب نہیں، حالانکہ مذہبی حیثیت سے دونوں کی صورت ایک ہی ہے

گویا یہ کہنا چاہیے کہ پُرانے زمانے میں سود نہیں بلکہ ربا کا رواج تھا، اور اسی کی مذہبی اور قانونی طور پر ممانعت تھی، اور ربا یعنی سود کی انتہائی شکل یا شرح سود کی نامناسب زیادتی یا کسی کی کمزوری اور ضرورت سے ناجائز فایدہ اٹھاکر زیادہ سود وصول کرنے کو آج بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا، دیسی ساہوکاروں کو اسی لیے برا کہتے ہیں کہ وہ اکثر اس قسم کا سود وصول کرتے ہیں۔ اسی قسم کے دوسرے سودخواروں کو آج بھی معاشرے میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، اور قانون بھی ان کے ساتھ نہیں ہے، اور وہ شرح سود اور اس کے مضر اثرات کو کم سے کم کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔

آج کل سود کا مفہوم بدل گیا ہے، اب سود اصل کے استعمال کا معاوضہ ہے، اور اصل وہ دولت ہے جو مزید دولت پیدا کرنے کے لیے استعمال کی جارہی ہے، جو رقم پیداوری کاموں کے لیے لی جاتی ہے اور اس کا جو سود ادا کیا جاتا ہے وہ کوئی آدمی اپنی جیب سے ادا نہیں کرتا، بلکہ اس رقم کو کاروبار میں لگانے سے جو منافع ہوتا ہے اسی میں سے سود ادا کیا جاتا ہے، بینک، ڈاک خانے یا دوسرے

ادارے ہماری اماتنوں پر جو سود ادا کرتے ہیں وہ اپنی گرہ سے نہیں دیتے بلکہ وہ ہماری رقموں کو کاروبار میں لگاکر نفع کماتے ہیں اور جس طرح ہم کسی کاروبار، تجارت، زراعت یا مشترک سرمائے کے کاروبار میں روپیہ لگاکر منافع حاصل کرتے ہیں، اسی طرح بینکوں اور ڈاک خانوں میں اپنی رقمیں جمع کرکے منافع کے مستحق ہوتے ہیں۔ درا صل اس کو ان معنوں میں سود کہنا ہی غلط ہے، اور اس کا لینا بھی معیوب نہیں۔

بینکوں کا نظام بہت پیچیدہ اور ان کا انتظام کافی دشوار ہے، تجارتی گرم و سرد بازاری کے دوروں سے گزرنا، بازار کے حالات کو دیکھتے ہوئے شرح سود مقرر کرنا، بے اعتمادی کے زمانے میں عوام کی یورشوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا، یہ چند ایسے مسائل ہیں جن میں بڑی ہوشیاری اور احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے اور ذراسی بھول چوک یا لغزش سے یا تو بینک کا دیوالا نکل جاتا ہے یا ساکھ کم ہوکر کاروبار ہٹ ہوجاتا ہے۔

تجارت اور کاروبار میں دو طرح کے زمانے آتے ہیں، ایک وہ جب نئے نئے کاروبار کھلتے ہیں پُرانے کاروبار خوب نفع کماتے ہیں، لوگوں کو روزگار مل جاتا ہے، روپے کی ہرطرف سے مانگ ہوتی ہے، اُجرتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور چیزوں کی قیمتیں بھی بڑھ جاتی ہیں، تجارت میں ترقی ہوتی ہے، بکثرت مال و اسباب اِدھر سے اُدھر جاتا ہے اور اس سے ریلوں اور چنگی کی آمدنی بڑھ جاتی، اعتبار میں اضافہ ہوجاتا ہے اور اس وجہ سے بٹّے اور سود کی شرحیں بھی بڑھ جاتی ہیں، غرض کہ ہر طرف چہل پہل نظر آتی ہے اور اسی کو گرم

بازاری کہتے ہیں، ان کے برخلاف دوسری طرف سرد بازاری ہوتی ہے، جب نئے کاروبار نہیں کھلتے، پرانے یا توپٹ ہوجاتے ہیں یا ان کی رفتار مدھم پڑجاتی ہے، مال کم تیار ہوتا ہے اور فروخت بھی کم ہوتا ہے اس وجہ سے منافع بھی کم ہوجاتا ہے، تجارت میں کمی ہونے لگتی ہے ریلوں اور جنگی کی آمدنی میں تخفیف ہوجاتی ہے، بے روزگاری بڑھنے لگتی ہے، اعتبار گھٹ جاتا ہے اور بٹے اور سود کی شرحیں بھی کم ہوجاتی ہیں، ان دونوں زمانوں کا کئی کئی سال تک دور دورہ رہتا ہے، اور جس طرح ہر چڑھاؤ کے بعد اتار کا آنا ضروری ہے، اسی طرح ہر گرم بازاری کے بعد سرد بازاری کا آنا لازمی ہے۔

گرم وسرد بازاری دونوں کا اثر کاروباری آدمیوں، تجارتی جماعتوں مالی اداروں، بنکوں، حصّوں اور زر کے بازاروں سب ہی پر پڑتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ سردِ بازاری کس طرح شروع ہوتی ہے؛ سب سے پہلے کاروباری آدمیوں کو لیجیے، ہر آدمی کا کاروبار دو حصّوں میں بٹا ہوتا ہے ایک طرف اس کو کچھ رقمیں دوسروں کو ادا کرنا ہوتی ہیں، دوسری طرف اس کو کچھ رقمیں دوسروں سے وصول کرنا ہوتی ہیں، ایک کاروباری آدمی اپنی واجب رقم وقت پر ادا نہ کرے تو وہ اپنے کاروبار کو سخت نقصان پہنچاتا ہے، کیونکہ اس کا اعتبار اور ساکھ ختم ہوجاتی ہے اور اس زمانے میں کوئی آدمی بغیر ساکھ کے کاروبار کر ہی نہیں سکتا لیکن یہ شخص اپنی رقمیں اُسی وقت ادا کرسکتا ہے جب کہ دوسرے اس کو رقمیں ادا کردیں مگر دوسرے لوگ بھی اسی ہیر پھیر میں رہتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی ایک شخص کی رقم وقت پر ادا نہیں

ہوتی، اور اس کا دیوالا نکل جاتا ہے، جہاں کسی ایک آدمی کا دیوالا نکلا بس ایک زلزلہ سا آجاتا ہے جس طرح کسی اینٹوں کے ڈھیر میں سے ایک اینٹ ہٹتے ہی دوسری اینٹیں کھسکنے لگتی ہیں، اسی طرح ایک آدمی کے دیوالے سے دوسرے متاثر ہوتے ہیں، اور تباہی کا ایک عام سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، یہی صورت کارخانے داروں، تجارتی جماعتوں اور بنکوں کو پیش آتی ہے۔

اس مصیبت کے وقت کاروباری طبقے کے لیے سب سے اہم چیز یہ اطمینان ہے کہ وہ اپنی رقمیں وقت پر ادا کرسکتے ہیں، ان کو نقد رقم کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ قرضہ درکار ہوتا ہے اور یہ قرضہ بھی ان کو براہ راست دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کی جانب سے ان لوگوں کو دیا جائے جن کو ان سے رقمیں وصول کرنا ہیں، یہ کام صرف بنک ہی انجام دے سکتے ہیں، بنکوں کو نقد رقم بہت کم قرض دینا پڑتی ہے کیونکہ بڑے بڑے کاروباری آدمی رقم نہیں مانگتے وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کا حساب بیباق کردیں اور دوسرے ان کی رقمیں ادا کردیں، چنانچہ بنکوں میں ان لوگوں کے نام امانتی کھاتے کھول دینے سے یہ مصیبت بڑی حد تک کم ہوجاتی ہے اور کاغذی حساب سے لین دین ہوجاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جب مصیبت کا حل اس قدر آسان اور سہل ہے تو بنک اس سے کیوں گریز کرتے ہیں اور کیوں لوگوں کے نام امانتی کھاتے کھول کر سردبازاری کا خاتمہ نہیں کردیتے؟ بات یہ ہے کہ بنک صرف انھی لوگوں اور جماعتوں کو قرض دینا چاہتے

ہیں جن میں قرض ادا کرنے کی صلاحیت ہے، لیکن یہ اندازہ بہت مشکل ہے کہ کن لوگوں میں قرض ادا کرنے کی قوت اور سکت ہے اور کن میں نہیں، عام بے اطمینانی کی وجہ سے اچھے اور بُرے دونوں کاروبار ایک سطح پر آجاتے ہیں، مگر اس حلقے میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جن کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے، جو صرف عارضی مشکلوں میں گھر جاتے ہیں، ان کو قرض دینے میں کوئی خطرہ نہیں، دوسرے وہ جن کی مالی حالت پہلے ہی سے خراب ہوتی ہے، یعنی ان میں سرمایہ غلط طریقے پر لگا ہے یا کاروبار کا اندازہ اور منافع کا تخمینہ غلط ہوا ہے یا کاروبار میں کوئی اور خرابی ہے جس کی وجہ سے ان کا تباہ ہونا لازمی ہے اور ان کی کمزوریاں معمولی حالات میں دبی رہتی ہیں لیکن غیر معمولی حالات میں نمایاں ہو جاتی ہیں، ایسے لوگوں کو قرض دینا خود قرض دینے والے کی بھی تباہی کا باعث ہوتا ہے، اس لیے کس کی مدد کی جائے اور کس کی نہ کی جائے۔ یہی سوال ماہر بینکاری کے فیصلے کی اعلیٰ ترین قوتوں کی آزمائش کا ہے، صحیح فیصلے سے اچھے نتیجے پیدا ہوتے ہیں اور ذرا سی غلطی سے ہزاروں ڈوب جاتے ہیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں، لیکن اس امداد کی ذمہ داری خواہ وہ صحیح ہو یا غلط کوئی خانگی بینک اپنے سر لینے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ یہ کام مرکزی بینک کا ہے جو ملک کا صدر بینک ہونے کی وجہ سے بینکوں اور کاروباری جماعتوں کے کاروبار سے بہت کچھ واقف ہوتا ہے، اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر دوسروں کی مدد کرتا ہے، چنانچہ ۱۹۰۸ء میں بینک آف

فرانس نے پیرس کے بینکاری کے ایک بڑے ادارے کی مدد میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا، ۱۸۹۰ء میں جب انگلستان کی ایک بڑی انجمن "بیرنگس" پر آنچ آئی تو "انگلستان بینک" نے اس کی ضمانت کے سلسلے میں بڑی حد تک اپنے آپ کو زیر بار کرلیا، ۱۹۰۱ء میں جرمنی کے "رائشس بینک" نے ایک دوسرے بڑے بینک کی امداد میں اس خطرے کو برداشت کیا، ہمارا ریزرو بینک ابھی نیا ہے اس لیے ابھی تک اس کو کوئی ایسا موقع پیش نہیں آیا لیکن جب وقت آئے گا تو اس کو بھی دوسروں کی مدد کرنا ہوگی۔

بہرحال بینکوں کے لیے یہ بڑا نازک زمانہ ہوتا ہے کیونکہ ایک طرف تو ان کو قرضوں کی عام بازاری طلب کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور دوسری طرف لوگ خود ان بینکوں سے اپنی امانتیں واپس لینا شروع کردیتے ہیں، خاص طور پر جب کسی اچھی ساکھ والے آدمی کا دیوالا نکل جاتا ہے تو عوام بہت زیادہ حواس باختہ ہوجاتے ہیں اور بدحواسی جتنی بڑھتی ہے اتنا ہی مرحلہ شدید ہوجاتا ہے، کیونکہ ایک کا اثر دوسرے پر، دوسرے کا تیسرے پر پڑتا ہے، اسی طرح تجارتی جماعتیں، مالی ادارے اور بینک متاثر ہونے لگتے ہیں، لوگوں کا بینکوں پر اعتبار کم ہوجاتا ہے اور وہ اپنی رقمیں ان سے واپس لے کر خود اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بینکوں کی امانتیں اور ان کے ذخیرے کم ہونے لگتے ہیں، جتنی ان چیزوں میں کمی ہوتی ہے اتنا ہی اعتبار اور گھٹتا ہے، غرض کہ ہر طرف سے مصیبت ہی مصیبت آجاتی ہے، اس مصیبت کا خاتمہ کسی ایک

بینک کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کا علاج مرکزی بینک کے ہاتھ میں ہے، یعنی وہ نئے نوٹ چھاپ چھاپ کر ضرورت مندوں کو قرض بھی دے اور بینکوں کے گاہکوں کو ان کی امانتیں بھی واپس دے، مگر قانون کی رُو سے ہر مرکزی بینک پابند ہوتا ہے کہ ایک خاص مقدار سے زاید نوٹ بغیر سونا رکھے جاری نہ کرے، اس لیے بینک عارضی طور پر اس قانون کو منسوخ کر دیتا ہے، اور بعد میں حکومت سے منسوخی کی اجازت لے لیتا ہے، قانون کی منسوخی اعتبار پیدا کرنے میں بڑی مدد دیتی ہے، بعض وقت تو مزید نوٹ جاری کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی اور صرف قانون کی منسوخی کا اعلان ہی مرحلہ ختم کر دیتا ہے، گویا مالی پریشانی اور اضطراب کا علاج ملک کے بینکاری کے عمدہ اور اعلیٰ نظام پر موقوف ہے۔

بڑے بینکوں کے ہر ہفتے حسابی گوشوارے شایع ہوتے ہیں مرکزی بینک کا گوشوارہ ان میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، گوشوارہ تیار ہو جانے کے بعد ناظموں کی مجلس میں پیش کیا جاتا ہے اور مجلس سارے حسابات کو دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اس ہفتے بینک کی شرح کیا رہنا چاہیے۔ اگر وہ دیکھتی ہے کہ بینک کے پاس سونے یا امانتوں کی مقدار کم ہو رہی ہے تو وہ شرح بڑھا دیتی ہے، اس طرح مرکزی بینک سے سونا نکلنا بند ہو جاتا ہے اور امانتوں کی مقدار بھی بڑھنے لگتی ہے، واضح رہنا چاہیے کہ مرکزی بینک امانتوں پر سود نہیں دیتا مگر اس کی شرح کے اضافے سے دوسرے بینک بھی اپنی اپنی شرح میں اضافہ کر دیتے ہیں، اس طرح ملک کی مجموعی امانتوں کی

مقدار بڑھنے لگتی ہے اور جب دوسرے بینکوں کی امانتیں بڑھتی ہیں تو ان کے وہ ذخیرے بھی بڑھ جاتے ہیں جو مرکزی بینک میں محفوظ رکھے جاتے ہیں) اگر مجلس سونے اور امانتوں کی مقدار کو کافی سمجھتی ہے تو وہ شرح کو قایم رکھتی ہے یا کم کر دیتی ہے، چونکہ مرکزی بینک کی شرح کا اثر سارے بازار پر پڑتا ہے اس لیے عام حالات میں شرح میں بہت کم تبدیلی کی جاتی ہے، ہر وقت یا ہر ہفتے کی تبدیلی سے ملک کی تجارت اور کاروبار پر برا اثر پڑتا ہے، چنانچہ چند مرکزی بینکوں کی شرح حسب ذیل ہے:-

بینک آف فرانس	۲ جنوری ۱۹۳۹ء سے	۲ فی صدی
نیویارک فیڈرل ریزرو بینک	۲۶ اگست ۱۹۳۷ء سے	۱ "
بینک آف اٹلی	۱۸ مئی ۱۹۳۶ء سے	۴½ "
ریزرو بینک آف انڈیا	قیام سے اب تک	۳ "

اس چھوٹی سی کتاب میں ہندستانی بینکوں کی حالت اور ان کے کاموں کی تفصیل پوری طرح پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جیسا بتایا جا چکا ہے کہ ہندستان میں بینکوں نے زیادہ ترقی نہیں کی، اسباب کا ذکر پہلے باب میں کیا جا چکا ہے، البتہ یہاں ایک بات کا ذکر خاص طور پر کرنا ضروری ہے اور وہ ہندستانیوں کی روپیہ دفن کرنے کی عادت ہے، دفینے، دفن کرنے والوں اور ملک والوں کے لیے مضر ہیں کیونکہ یہ روپیہ بڑھتا اور پھلتا پھولتا نہیں، ملک کو یہ نقصان ہوتا ہے کہ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی رقمیں جمع ہو کر ایک بڑی رقم بن کر ہندستان جیسے ملک میں جہاں سرمائے کی بڑی کمی ہے کام آسکتی تھیں، اس

کمی کو بیرونی سرمائے سے پورا کیا جاتا ہی جو ہر لحاظ سے ملک کے لیے نقصان دہ ہی، اب دیکھنا یہ ہی کہ یہ عادت کیوں پیدا ہوئی اور اس کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہی؟

ہندُستان کی تاریخ بتاتی ہی کہ اس ملک پر ہمیشہ حملے ہوتے رہے اس لیے یہاں کے باشندوں نے حملہ کرنے والوں کے ڈر سے اپنا روپیہ سونے اور چاندی کی شکل میں زمین میں گاڑنا شروع کیا، رفتہ رفتہ یہ ہر ہندُستانی کی عادت بن گئی، پھر پُرانے زمانے میں ایسے کاروبار بھی نہ تھے جہاں روپیہ لگایا جاتا، شراکت اور حصّے داری کے کاموں کی نہ تو رجسٹری ہوتی تھی اور نہ کوئی قانونی پابندی تھی، دھوکے اور فریب کے موقعے بہت زیادہ تھے، اس لیے لوگ اپنا مال اپنی نظر کے سامنے ہی رکھتے تھے، مگر نقد روپیہ پاس رکھنے میں خرچ ہوجانے کا بڑا ڈر تھا۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے زیور بنوائے جانے لگے، اور مصیبت کے وقت ان کو فروخت کرکے یا رہن رکھ کر نقد رقم بھی حاصل کرلی جاتی تھی، اس طرح زیور امارت کا نشان بن گئے، اور اب تک عورتوں کو ان کا بڑا شوق ہی، کھاتے پیتے گھرانوں میں سونے کے اور متوسط طبقے میں چاندی کے زیور بڑے مقبول ہیں، ان کی دیکھا دیکھی وہ غریب جن کو چاندی بھی میسر نہیں گلٹ، رانگ اور سیسے کے زیوروں ہی سے اپنا دل بہلا لیتے ہیں۔ ہندُستان، اکثر ملکوں کے مقابلے میں بہت غریب ہی، مگر اس غربت کے باوجود یہاں سونے، چاندی کی مانگ بہت زیادہ ہی، چنانچہ ۱۸۹۳ء میں جب سونے کے حساب سے چاندی

کی قیمت گر رہی تھی، یہاں کثرت سے چاندی خریدی جا رہی تھی، حالانکہ اس طرح ملک کو ۲۴ ۱/۲ کروڑ رُپے کا نقصان ہوا۔ ۱۹۱۳-۲۴ء تک دس سال کے عرصے میں ہندستان میں ۴۸۲ کروڑ رُپے کا سونا اور چاندی باہر سے آئی اور اس کا بڑا حصہ زیوروں کی شکل میں تبدیل ہوگیا، ملک میں کتنی چاندی یا سونا دفن ہے یا زیوروں کی شکل میں محفوظ ہے اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے، لارڈ کرزن نے اس کی مقدار ۴۲۵ کروڑ، رُپے بتائی، امریکہ کے ایک تجارتی شعبہ کے ڈائرکٹر ای ایل پرائس نے دس ارب کا تخمینہ لگایا، مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تخمینے صحیح نہیں چنانچہ اس کا کچھ اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جب ۱۹۳۱ء میں انگلستان نے معیارِ طلا کو ترک کردیا تو سونے کی قیمت بڑھنے لگی اس وقت سے ۵ فروری ۱۹۳۸ء تک ۳ ارب ۱۰ کرور کا سونا صرف بمبئی سے باہر گیا، دوسرے مقاموں سے باہر جانے کی سونے کی مقدار زیادہ نہ تھی۔

مگر ہندستانیوں کے متعلق یہ سمجھا کہ ان کو صرف رُپیہ دفن کرنا ہی آتا ہے صحیح نہیں، اگر انھوں نے ابتدائی زمانے میں مغربی طرز کے بینکوں، اور دوسرے کاروبار مثلاً ریلوں، چائے اور کافی کے باغوں اور دوسرے کارخانوں میں حصہ نہیں لیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت حکومتِ ہند یہاں کے معاشی معاملوں میں دخل نہ دیتی تھی اور حکومت کی مدد کے بغیر نئے کاروباروں کا دوسرے ملکوں کے پُرانے اور جمے ہوئے کارخانوں سے مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا، اس لیے ہندستانی خطرناک کاموں میں رُپیہ لگانے کی

ہمت کیسے کر سکتے تھے ؟ نیز اس وقت جن بیرونی سرمائے داروں نے یہاں روپیہ لگایا ان کی حوصلہ مندی کی بھی زیادہ تعریف نہیں کی جا سکتی ، بے شک انھوں نے ایک غیر ملک میں روپیہ لگایا، مگر حکومت نے ان کو نہ صرف منافع کی ضمانت دی، بلکہ رقمی مدد کے علاوہ دوسری رعایتیں بھی دیں ، ان کے مقابلے میں وہ ہندستانی زیادہ حوصلہ مند تھے جنھوں نے حکومت کی بے رخی اور بے نیازی کے باوجود کپڑا بننے کی صنعت میں روپیہ لگا کر اس کو ترقی دی، جنگ عظیم کے زمانے سے جب حکومت کی پالیسی میں تبدیلی ہوئی تو ہندستانی ہر کاروبار میں حصہ لینے لگے ، ہندستانی حکومت کا پرانا قرضہ اور اس کا جنگ کا سارا قرضہ جن کی مقدار کئی ارب تک پہنچ گئی ہی، ہندستانیوں ہی کا ہی، حالانکہ اب تک ہندستانیوں کو وہ سہولت حاصل نہیں جو بدیسی سرمائے داروں کو حاصل ہی، مگر پھر بھی وہ ان سے پیچھے نہیں ، پھر جو سرمایہ یہاں کے کاروبار میں لگا ہوا ہی اس کا بڑا حصہ شہروں اور قصبوں سے فراہم کیا گیا ہی ، کیونکہ دیہات میں نہ تو روپیہ جمع کرنے والے ادارے ہیں اور نہ وہاں تعلیم اور واقفیت ہی، وہاں جو لوگ روپیہ کا لین دین کرتے ہیں انھوں نے وہی طریقے اختیار کر رکھے ہیں جن پر ان کے باپ دادا چلتے تھے ، حالانکہ دیہات میں ایسے مال دار اور صاحب حیثیت کاشتکار ، مہاجن اور ساہوکار موجود ہیں جن کو اس موجودہ نظام کے تحت لا کر فایدہ اٹھایا جا سکتا ہی۔

ڈاک خانے میں چار آنے کے بجائے دو روپے جمع کرنے کا

نیا طریقہ یہاں کے غریب اور متوسط طبقے کی ہمت افزائی کا باعث نہیں ہوسکتا، پرانے طریقے کو پھر اختیار کرنے کی ضرورت ہے، ڈاک خانوں کی شاخیں بڑے بڑے گانوؤں میں قایم ہونی چاہییں، حسابی کتابیں اور رسیدیں وغیرہ انگریزی کے بجائے دیسی زبانوں میں ہونا چاہییں، پروپیگنڈے سے لوگوں کو رقمیں جمع کرنے کی ترغیب دی جائے، عورتوں میں یہ کام خاص طور پر ہونے کی ضرورت ہے جیساکہ بہار کی بینکاری کی کمیٹی نے تجویز کی تھی "استری دھن" سرٹیفکٹ یا اسی قسم کے دوسرے آسان اور سہل طریقے رائج کرکے عورتوں سے روپیہ حاصل کرنے کی کوشش ہونا چاہیے۔

ملک میں بینکاری کی تعلیم کی بھی اشد ضرورت ہے، اس وقت صرف ایک ادارہ ہے جو "انڈین انسٹی ٹیوٹ آف بینکرس" کہلاتا ہے، یہ چودہ سال سے قایم ہے، اس کے رکن ساڑھے چار سو بینک ہیں، ۱۹۴۰-۴۱ء میں اس کے امتحان میں پندرہ سو طالب علم شریک ہوئے، یہ اپنے اراکین کی بینکاری کی معلومات میں اضافہ کرنے کی خاطر ایک رسالہ بھی شایع کرتا ہے، اور اس کے مختلف مرکزوں پر تقریروں کا بھی انتظام ہے، مگر ہندستان جیسے وسیع ملک میں صرف ایک ادارہ کس طرح کافی ہوسکتا ہے اس شعبے کو ملک کے عام کالجوں کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔

بہرحال ضرورت ہے کہ دفن کیے ہوئے زر کو باہر نکال کر کاروبار میں لگایا جائے، بینکاری کی تعلیم ملک میں عام کی جائے

تاکہ ایک طرف اچھے اور مستند بینک قایم ہوسکیں اور دوسری طرف
عوام بینکوں سے کاروبار کرسکیں اور فایدہ اٹھا سکیں، چند
لوگوں کی خوش حالی، سماج کی خوش حالی ہے اور سماج کی خوش
حالی ہمارے سارے ملک کی خوش حالی ہے۔ جہاں مذہب، ذات
پات، نسل اور رنگ کسی کا امتیاز نہیں۔

پہلا ضمیمہ

ریزروبینک کا ۵ر دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء کو ختم ہونے والے ہفتے کا گوشوارہ

صیغہ بینکاری ـــ (الف) دین داریاں

سرمایہ	۵ کروڑ
ریزروفنڈ	۵ کروڑ
امانتیں (الف) حکومت	×
(۱) مرکزی حکومت	۱۵ کروڑ ۸۰ لاکھ
(۲) برما کی حکومت	۲ " ۷۹ "
(۳) دوسری صوبہ داری حکومتیں	۴ " ۶۲ "
(ب) بینک	۴۲ " ۴۸ "
(ج) دوسری امانتیں	۳ " ۲۷ "
ہنڈیاں	۱ " ۳ "
دوسری دین داریاں	۳ " ۸۱ "
میزان	۸۳،۸۹،۷۹،۰۰۰ روپے

(ب) اثاثے

(۱) نوٹ - ۱- ہندستان میں	۹ کروڑ ۵۵ لاکھ
۲- برما میں	۱۶ "

(۲) سکّے - ۱- رُپے کے سکّے	۷ لاکھ
۲- دوسرے چھوٹے سکّے	۴ "
(۳) ہُنڈیاں - اندرونی و بیرونی	×
(۴) گورنمنٹ ٹریزری بلس	۶ "
(۵) بیرونی حسابات (نقد اور تمسک وغیرہ	۶۴ کروڑ ۴۳ "
(۶) حکومتوں کو دیے ہوئے قرضے	×
(۷) دوسروں کو دیے ہوئے قرضے	×
(۸) دوسرے کاروبار میں لگا ہوا رُپیہ	۸ کروڑ ۲۰ لاکھ
(۹) دوسرے اثاثے	۱ کروڑ ۳۴ "
میزان	۸۳،۸۹،۷۹،۰۰۰ رُپے

صیغۂ اجرائی نوٹ

(الف) دین داریاں

صیغۂ بینکاری والے نوٹ	۹ کروڑ ۱۷ لاکھ
بازار میں گھومنے والے نوٹ۔ (الف) ہندستان میں	۲۹۴ " ۸۶ "
(ب) صرف برما میں	۲۰ " ۲۱ "
کل جاری شدہ نوٹ	۳۲۴ " ۹۰ "
دین داریوں کی کل میزان	۳۲۴,۹۰,۰۶,۰۰۰ روپے

(ب) اثاثے

(۱) سونا اور خام دھاتیں (الف) ہندستان کے اندر	۴۴ کروڑ ۱۴ لاکھ
(ب) ہندستان کے باہر	×
(۲) اسٹرلنگ کے تمسک	۱۹۷ کروڑ ۶۳ لاکھ
(۳) روپے کے سکے	۳۶ " ۳۵ "
(۴) حکومتِ ہند کے روپے والے تمسک	۴۶ " ۴۹ "
(۵) ہنڈیاں۔ اندرونی و بیرونی	×
اثاثوں کی جملہ میزان	۳۲۴,۹۰,۰۶,۰۰۰ روپے

کل دین داریوں کے مقابلے میں سونے اور خام دھاتوں کی مقدار کا تناسب ۴۷,۴۹۹ فی صدی ہے

دوسرا ضمیمہ

امپیریل بینک آف انڈیا کا ۵ دسمبر ۱۹۴۱ء عیسوی کو ختم ہونے والے ہفتے کا گوشوارہ

(الف) دین داریاں

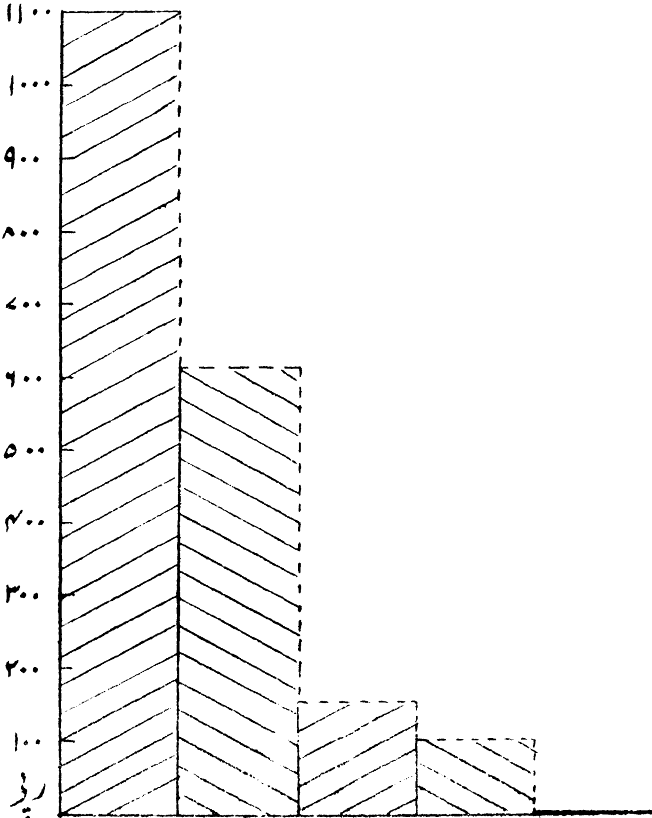
مد	رقم
سرمایہ	۵ کروڑ ۶۲ لاکھ
ریزرو فنڈ	۵ " ۶۲ "
معیاری امانتیں، سیونگ بینک، چالو کھاتے اور دوسرے حساب	۱۰۸ " ۷۷ "
متفرق کی مد	۱ " [illegible] "
میزان	۱۲۱,۲۳,۲۸,۰۰۰ روپے

(ب) اثاثے

مد	رقم
(۱) کاروبار — (الف) حکومت کے تمسک	۶۲ کروڑ ۶۹ لاکھ
(ب) دوسرے کاروبار	۱ " ۲۳ "
(۲) قرضے	۶ " ۹۷ "
(۳) نقد قرضے اور اوور ڈرافٹ	۱۷ " ۸۴ "
(۴) خریدی ہوئی اور بٹّہ کاٹی ہوئی ہنڈیاں	۴ " ۶۴ "
(۵) ڈوبن کھاتا	۱ " ۷۸ "
(۶) متفرق کی مد	۱ " ۱۰ "
(۷) اپنے پاس اور ریزرو بینک کے پاس والی نقد رقم	۱۸ " ۹۴ "
(۸) دوسرے بینکوں میں حساب	۵ "
میزان	۱۲۱,۲۳,۲۸,۰۰۰ روپے

تیسرا ضمیمہ

مختلف ملکوں میں فی کس امانتوں کا اوسط روپوں میں



چوتھا ضمیمہ

اصطلاحیں

الف

اثاثے	Assets
اجارہ	Monopoly
ادارہ	Institution
اسٹاک ایکسچینج	Stock Exchange
اعتبار	Credit
اعتباری دستاویز	Bill of Credit
آلہ مبادلہ	Medium of Exchange
امانت	Deposit
امانت دار	Dopositer
امداد باہمی کی انجمنیں	Co-operative Socities
اندوختہ ، دفینہ	Hoarding

ب

بارٹر	Barter
بازار زر	Money Market
بینک	Bank
بینکاری ۔ بینکنگ	Banking

Banker	بینکار
Bank Rate	بینک کی شرح
Crisis	بُحران، مالی پریشانی

پ

Matured Bill	پختہ ہنڈی
Savings	پس انداز

ت

Speculation	تخمین
Auditor	تنقیح کرنے والا
Security	تمسک

ث

Roundsome Money	ثابت رقم

ج

Schedule Bank	جدولی بینک

چ

Cheque	چک
Current Account	چالو کھاتا

ح

Clearing House	حساب گھر
Share	حصہ
Share-Holder	حصہ دار

خ

Private	خانگی

د

Indeginous Banker	دیسی بینکار
Liability	دین داری
Broker	دلّال
Insolvency	دیوالا

ڈ

Dead-stock	ڈوبن کھاتا

ذ

Gold Standard Reserve	ذخیرۂ معیارِ طلا

ر

Days of grace	رعایتی دن
Reserve Fuud	ریزو فنڈ، سرمایۂ محفوظ

ز

Money	زر
Legal Tender	زرِ قانونی
Life Insurance	زندگی کا بیمہ

س

Capital	سرمایہ
Joint Stock Bank	سرمایۂ مشترک کا بینک

Credit	ساکھ
Saving Bank	سیونگ بینک

ش

Rate of Interest	شرح سود

ص

Issue Department	صیغہ اجرائی نوٹ
Banking Department	صیغہ بینکاری
Bankers, Bank	صدر بینک یا بینکوں کا بینک

ع

Call Money	عند الطلب رقم

غ

Inconvertible	غیر بدل پزیر
Non-Schedule Bank	غیر جدولی بینک

ق

Installment	قسط

ک

Account	کھاتا

م

Exchange	مبادلہ
Exchange Bank	مبادلہ بینک
Foreign Exchange	مبادلاتِ خارجیہ
Legislature	مجلسِ قانون ساز

Limited Company	محدود کمپنی
Central Bank	مرکزی بینک
Society	معاشرہ ، سماج
Charter	منشور
Fixed Deposit	معیاری امانت
Sundries	متفرق کی مد

ن

Director	ناظم
Board of Directors	ناظموں کی مجلس
Cash Credit	نقد اعتبار
Representative Paper Money	نیابتی زرِ کاغذی

ہ

Weekly Return	ہفتہ واری گوشوارہ
Bill of Exchange	ہُنڈی
To accept a Bill	ہُنڈی سکارنا یا قبولنا
To discout a Bill	ہُنڈی پر بٹّا کاٹنا
Drawer of a Bill	ہُنڈی لکھنے والا
Drawee of a Bill	ہُنڈی لینے والا

پانچواں ضمیمہ

امدادی کتابیں

1. Indian Economics G. B. Jathar and S. G. Beri.
   Vol. 2. 4th Edition 1937. Oxford University Press.
2. The Mechanism of Exchange John A. Todd. O.U.P. London.
3. The Co-operative Movement in the Punjab. Ataullaha 1937.
4. India Before the Crisis
   George Allen & Unwin Ltd., London. Brij Narain 1935.
   The Indian Press Ltd., Allahabad.
5. Central Banking in India 1773-1934.
   (with special reference to the Reserve Bank.)
   Om Parkash Gupta 1934. The Hindustan Times Press, Delhi.
6. Indigenous Banking in India. L. C. Jain. 1932
   Macmillien & Co. Ltd., Bombay.
7. Money & Banking 1938-39 League of Nations Series. Genuva.
8. Functions & Working of the Reserve Bank of India 1941.
   Reserve Bank of India, Bombay.
9. Report on Currency & Finance 1940-41.
   Reserve Bank of India, Bombay
10. The Insurance Year Book 1940-41.
11. The Indian Year Book 1940-41 (27th Edition)
    Times of India Press, Bombay.
12. The Encyclopeadia Britanica
    Vol. III. 11th Edition.

۱۳۔ معاشیات — از حبیب الرحمٰن — اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن ۱۹۲۹ء

۱۴۔ معیشت الہند — از محمد الیاس برنی — دار الطبع جامعہ عثمانیہ

۱۵۔ ہندستانی بینکار — از محمد احمد سبزواری — جامعہ دہلی جنوری ۱۹۳۸ء

۱۶۔ انگلستان بینک — از محمد احمد سبزواری — جامعہ دہلی، اکتوبر ۱۹۳۷ء

تیرھواں باب

بینکاری اور جنگ [1]

جنگ کی وجہ سے جو مختلف مصیبتیں پیش آتی ہیں اُن میں سب سے زیادہ اہم اور شدید چیز بداعتمادی کی فضا ہی، دراصل جنگ شروع ہی اُس وقت ہوتی ہی جب کسی وجہ سے دو ملکوں کے درمیان بداعتمادی پیدا ہوجائے۔ بینک بداعتمادی سے سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، کیوں کہ ان کی بنیاد ہی اعتماد پر قائم ہی، چناں چہ جنگ چھڑتے ہی ہر ملک میں بے اعتمادی کی فضا پیدا ہونے لگی، ہندستانی بینک بھی اس سے متاثر ہوئے۔ لوگوں نے اپنی امانتیں تیزی سے واپس لینا شروع کر دیں، مگر عموماً بے اعتمادی ایک اضطراری کیفیت کی سی صورت رکھتی ہی اور جب کوئی خطرہ دیرپا یا طویل ہوجاتا ہی تو عوام اُس سے اس قدر دہشت زدہ نہیں رہتے جتنے کہ ابتدا میں ہوتے ہیں، جب جنگ طویل ہوتی گئی اور لوگوں کی دہشت کم ہونے لگی تو اگرچہ امانتوں کی مقدار میں کمی نہیں ہوئی مگر کوئی خاص اضافہ بھی نہیں ہوا۔ مگر اس کے ساتھ جنگ کی وجہ سے کاروباروں کے منافع بڑھنے لگے اور لوگوں کی آمدنی بڑھنے لگی

---

[1] بعض وجوہ کی بنا پر کتاب کی اشاعت میں دیر ہوگئی، مگر گزرتا ہوا وقت خالی نہ گیا۔ اس لیے بعض جدید چیزوں کا ذکر اس باب میں کر دیا ہی، اور ساتھ ہی بینکوں کے اعداد کا ایک ضمیمہ بھی شامل کر دیا گیا ہی۔

اور وہ اپنی پس انداز یا زائد رقموں کو اپنے پاس بھی نہیں رکھنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے ان رقموں کو چالو کھاتوں کی شکل میں بینکوں میں رکھنا شروع کر دیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ جب چاہیں اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں، چناں چہ جدولی بینکوں کے مجموعی اعداد پر نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ اگر میعادی امانتوں میں کمی ہو رہی ہے تو دوسری طرف عندالطلب امانتیں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔

سال	میعادی امانتیں	عندالطلب امانتیں
سنہ ۱۹۳۹-۴۰ء	۱۰۶ کروڑ روپیہ	۱۴۰ کروڑ روپیہ
سنہ ۱۹۴۰-۴۱ء	۱۰۵ "	۱۶۴ "
اکتوبر سنہ ۴۲ء	۱۰۲ "	۳۲۲ "
نومبر سنہ ۴۲ء	۱۰۵ "	۳۳۳ "
دسمبر سنہ ۴۲ء	۱۱۰ "	۳۴۰ "

اِس نقشے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میعادی امانتوں کی مقدار کم و بیش یکساں رہی مگر عندالطلب امانتوں میں ۲۰۰ کرور کا اضافہ ہو گیا، اس اضافے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے پاس زائد رُپیہ ہے اور وہ اس کو بچانا بھی چاہتے ہیں، لیکن جنگ کے زمانے کی پریشان کُن افواہوں کے ڈر سے نہ تو خود اس کو کسی کاروبار میں لگانا چاہتے ہیں اور نہ میعادی امانت کے طور پر بینک میں جمع کرانا چاہتے ہیں، کیوں کہ وہ متذبذب ہیں کہ خدا جانے کل کیا ہو، مگر رقم کو اپنے پاس رکھنے میں بھی خطرہ ہے لہٰذا وہ ایسی درمیانی صورت اختیار کرتے ہیں کہ ان کے رُپے کی حفاظت بھی ہو جائے اور وہ جب چاہیں اپنی رقم واپس بھی لے لیں، مگر جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اس قسم

کی رقم سے بنکوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا کیوں کہ یہ ہر وقت واپس طلب کی جاسکتی ہے اور بنکوں کو اس کا بڑا حصہ سیالی شکل میں محفوظ رکھنا پڑتا ہے تاکہ حسبِ ضرورت ان کی ادائی ہو سکے، اسی وجہ سے بینک ان رقموں پر سود کم یا بالکل ادا نہیں کرتے، مگر مجموعی حیثیت سے تمام بنکوں میں اس کی مقدار کافی ہو جاتی ہے مثلاً دسمبر ۱۹۴۲ء میں اس کی مقدار ۴۰۳ کروڑ روپے کے قریب تھی، مگر یہ رقم کچھ زائد کار آمد نہ ہونے کی وجہ سے بے کار پڑی رہتی ہے اور ملک کے اصل کا بڑا حصہ کسی مصرف میں نہیں آسکتا۔ حالاں کہ ہر ملک اور خصوصاً ہندستان جہاں سرمایے کی مقدار قلیل ہو اس سے کافی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

جنگ کا دوسرا اثر یہ ہوا کہ ریزرو بینک کے جاری کردہ نوٹوں کی مقدار میں اضافہ ہونے لگا۔ چناں چہ ذیل کے اعداد سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

سال	گردش کرنے والے نوٹ (لاکھ روپوں میں)	کُل جاری شدہ نوٹ
اگست ۱۹۳۹ء	۱،۷۸،۸۹	۲،۱۶،۷۸
۱۹۴۰-۴۱ء کا اوسط	۲،۴۱،۶۲	۲،۵۸،۷۷
۱۹۴۱-۴۲ء کا اوسط	۳،۰۸،۴۶	۳،۲۰،۶۳
۲۲ جنوری ۱۹۴۳ء	۵،۹۰،۷۲	۶،۰۵،۱۶
۱۸ جون ۱۹۴۳ء	۷،۲۲،۹۴	۷،۳۴،۴۵

گویا گردش کرنے والے نوٹوں کی مقدار میں ۳۰۴ فی صدی کا اضافہ ہو گیا، عام حالات میں جاری شدہ نوٹوں کی پشت پر سونے اور چاندی کی ایک معیّنہ مقدار رکھی جاتی ہے، مگر اس مرتبہ

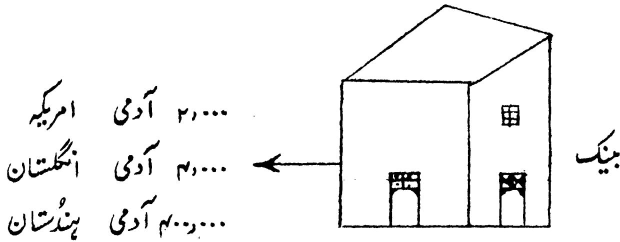
ایسا نہیں ہوا، کیوں کہ حکومت کے پاس اتنا سونا اور چاندی نہ تھا جو موجودہ کثیر مقدار کے لیے کافی ہوتا، لہٰذا ان نوٹوں کو اسٹرلنگ تمسکوں کی ضمانت پر جاری کیا، ۱۸ جون ۱۹۴۳ء کو ختم ہونے والے ہفتے میں ریزرو بینک کے پاس صرف ۴۴,۴۱ لاکھ رُپے کا سونا یا چاندی یا ان کے سکّے تھے اور ۴۸,۵۴,۰۵ لاکھ رُپے کے اسٹرلنگ تمسک تھے، (ان کے علاوہ ۱۷,۲۰,۰۱ لاکھ کی مالیت کے رُپے والے تمسک الگ ہیں) حالاں کہ آغازِ جنگ پر اسٹرلنگ تمسکوں کی مقدار صرف ۵۰,۹۰ لاکھ تھی، گویا آغازِ جنگ سے اب تک اسٹرلنگ تمسکوں کی مقدار میں ۹۸,۴۹۴ لاکھ رُپے کی بیشی ہوئی۔

یہ سوالات بینکاری سے غیر متعلق ہیں کہ اسٹرلنگ تمسکوں کی مقدار کس طرح بڑھی؟ حکومت کو کثیر مقدار میں نوٹ جاری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ سونا اور چاندی کس طرح کم ہو گیا؟ چاندی کے سکّے کس لیے واپس لیے گئے اور ایک رُپے والا رسمی یا غیر بدل پزیر نوٹ کیوں جاری ہوا؟ ہم کو صرف اس سے بحث ہی کہ جب تمسک ذخیرۂ محفوظ میں رکھے جاتے ہیں تو زر کی مقدار تیزی سے بڑھنے لگتی ہی کیوں کہ یہ محض کاغذ کے پُرزے ہوتے ہیں، اور جب زر کی مقدار بڑھنے لگتی ہی تو اس کا نتیجہ گرانی کی صورت میں نمودار ہوتا ہی۔ یہ صحیح ہی کہ گرانی محض زائد نوٹ جاری کر دینے ہی سے نہیں ہوتی، بلکہ باہر سے چیزوں کے آنے میں کمی، ملک کے اندر تیار ہونے والی اشیا کا جنگی اغراض کے لیے استعمال اور چیزوں کی اُن کی مانگ کے مقابلے میں کمی بھی گرانی کے سبب ہیں، مگر جب رُپیہ یا زر بھی ضرورت سے زائد ہو جاتا ہی تو

اس کی قیمت بھی گرنے لگتی ہے، یعنی روپیہ سستا ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں اشیا گراں ہو جاتی ہیں، جو چیز پہلے ایک روپے میں ملتی تھی اب اس کے دو روپے دینے پڑتے ہیں، اور اس سے زائد روپے کی ادائی اس لیے ناگوار نہیں گزرتی کہ ہمارے پاس اشیا کے مقابلے میں روپے کی مقدار زائد ہوتی ہے، یہ بڑی مضر چیز ہے اور اس سے گرانی کے علاوہ بداعتمادی بھی پیدا ہوتی ہے اور عوام نوٹوں سے بددل ہونے لگتے ہیں، اور اُن کی قیمت دن بدن گرنے لگتی ہے چناں چہ ہمارے سربرآوردہ معاشین نے حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے، مگر ابھی تک اس کی روک تھام کی کوئی خاص کوشش نہیں ہوئی۔ البتہ اب معلوم ہوا ہے کہ حکومت امریکہ سے کچھ سونا اور چاندی خریدنے کی گفت و شنید کر رہی ہے جس کا مقصد یہی ہے کہ سونا ذخیرۂ محفوظ میں رکھا جائے اور چاندی کے سکّے چلائے جائیں تاکہ عام بے اعتمادی میں کمی ہو سکے۔

جنگ سے محض نقصان ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے کچھ فائدے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ ہندستان جیسے پس ماندہ ملک نے گزشتہ جنگ سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا اور موجودہ جنگ سے بھی کافی فائدہ حاصل کیا اور ابھی مزید توقع ہے، جنگ کی وجہ سے ہندستانی صنعت و حرفت میں بڑی ترقی ہوئی، نئے نئے کارخانے کھلے، پُرانے کارخانوں میں توسیع ہوئی، چیزوں کی پیدایش بڑھ گئی، لوگ روزگار سے لگ گئے، آمدنی میں اضافہ ہونے لگا، ہماری درآمد کم ہو گئی اور برآمد بڑھ گئی۔ زائد برآمد کی وجہ سے ہم کو اپنے بیرونی قرضوں کا چکوتا کرنے میں بڑی مدد ملی، یہ بھی ظاہر ہے کہ جب صنعتی چہل پہل بڑھتی ہے اور نئے کارخانے

کھلتے ہیں تو بینکوں کا کاروبار اور ان کا منافع بھی بڑھنے لگتا ہے اور جب کسی کام میں منافع بڑھنے لگتا ہے تو لوگ اس کی طرف زیادہ راغب ہونے لگتے ہیں، پھر جیسا کہ بتایا جا چکا ہے ہندستان میں بینکوں کی بڑی کمی ہے اور اس میں بہت زیادہ ترقی کی گنجائش ہے۔ ذیل کے خاکے سے ہمارے ہاں بینکوں کی کمی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔



اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ یہ تمام آدمی بینک سے کاروبار کرنے لگیں اور وہ صرف سال میں دو مرتبہ ہی بینک میں آئیں اور بینک پورے بارہ گھنٹے کام کرے تو دو منٹ میں چھ آدمیوں کا اوسط پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ اچھے سے اچھے بینک کے لیے بھی دو منٹ میں چھ آدمیوں کو نبٹانا مشکل ہے۔

جنگ شروع ہونے کے بعد ہندستانی بینکوں نے بھی کافی ترقی کی۔ ستمبر ۱۹۳۹ء کے بعد سے ہندستان میں ۳۸ نئے بینک قائم ہوئے، جن میں سے دو ہندستانی ریاستوں میں ہیں۔ ان میں سے ۱۶ بینکوں کا سرمایہ ۵ لاکھ یا اس سے زائد ہے، ۶ بینکوں کا ادا شدہ سرمایہ بھی اتنا ہی ہے، اور باقی بینکوں کا مجوزہ سرمایہ ایک لاکھ سے پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔

ایک طرف تو یہ شکایت کی جاتی تھی کہ ہندستان میں بینکوں کی

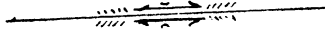
بڑھی گئی ہی، اور دوسری طرف جب یہاں تیزی سے بینک کھُلنے لگے تو اپریل ۱۹۴۳ء میں ریزرو بینک کے مرکزی بورڈ نے حکومت کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ وہ ہندُستان کے قانون کمپنیات کی دفعہ ۲۷۷ میں ترمیم کرے، جس کے تحت نئی کمپنیاں یا بینک قائم ہوتے ہیں۔

بورڈ نے نئے بینکوں کی حالت پر غور کرنے کے بعد چار اعتراضات کیے ہیں، پہلے تو یہ کہ جدید بینکوں کی اکثریت نے صرف ادا شدہ سرمایے سے کاروبار شروع کر دیا ہی، حالاں کہ یہ مقدار ناکافی ہی، اس کی رائے میں ادا شدہ سرمایہ، مجوزہ سرمایے کا نصف ضرور ہونا چاہیے، دوسرے یہ کہ حصّوں کو معمولی، ترجیحی اور ملتوی شدہ حصص کی صورت میں تقسیم کیا گیا ہی، مگر ان حصّوں کی تقسیم کچھ اس طرح کی گئی ہی کہ اس میں خرابی پیدا ہونے کا امکان ہی، کیوں کہ آج کل منافع کا اچھا امکان ہی اس لیے کاروبار کا زائد حصّہ ملتوی شدہ حصوں کے لیے محفوظ کیا جائے گا، مگر یہاں یہ خطرہ ہی کہ منتظمین زائد منافع کے خیال سے کہیں حصے داروں کے مفاد کو پسِ پشت ڈال کر اس رقم کو کسی تخمینی کاروبار یا سٹے میں لگاکر منافع کمانے کی کوشش نہ کریں، اور اس میں نقصان کا اندیشہ زیادہ ہی، نقصان کا مطلب بینک کی ناکامی ہی اور ایک بینک کی ناکامی دوسرے بینکوں پر بھی اثر ڈالتی ہی۔ تیسرے یہ کہ بینکوں کا انتظام صرف دو ایک آدمیوں کے ہاتھوں میں نہ دیا جائے، جو اس کے مینجنگ ایجنٹ کی حیثیت سے کافی منافع حاصل کرلیں گے اور حصّے داروں کا منافع گھٹ جائے گا۔ چوتھے یہ کہ بینکوں کو بنیادی اور فنّی اصولوں پر قائم ہونا چاہیے تاکہ وہ کام یابی کے ساتھ چل سکیں،

اورساتھ ہی اصل لگانے والوں کی رقم کی حفاظت بھی ہو سکے، اور ملک کو بھی اُن سے فائدہ پہنچ سکے۔

جہاں تک اعتراضات کا تعلق ہے وہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہیں، مگر ہندستانی یہ نہیں چاہتے کہ بینکوں کی راہ میں کچھ ایسی دشواریاں پیدا کر دی جائیں جن سے اُن کی آیندہ ترقی متاثر ہو، کیوں کہ ایک طرف تو ہمیشہ یہ کہا جاتا رہا کہ ہندستانی سرمایہ شرمیلا ہے اور ہندستانیوں میں خطرات برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اور ہندستان کی صنعتی پس ماندگی کا ایک سبب بینکاری کی معقول سہولتوں کی عدم موجودگی بھی ہے، لیکن جب نئے بینک کُھلنے لگے اور ہندستانی سرمایہ ان میں لگایا جانے لگا تو ان پر پابندیاں عائد کرنا کہاں کی دانش مندی ہو سکتی ہے؟ ہر کاروبار کی ترقی کا ایک زمانہ ہوا کرتا ہے، صنعتی سرگرمی کا دَور بینکوں کی ترقی کے لیے بہت مفید ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ان میں جو کم زوریاں اور نقائص ہیں ان کو بھی دُور کرنا ضرُوری ہے ورنہ وہ بینک جو اس وقت جنگ کی وجہ سے ادا شدہ سرمایے کی کمی اور دوسری خرابیوں کے باوجود جنگ کے غیر معمولی حالات کی بدولت منافع کما رہے ہیں جنگ کے بعد عام حالات کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور یکے بعد دیگرے بینکوں کی تباہی کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا، جس سے نہ صرف کم زور بینک تباہ ہوں گے بلکہ اچھے بینکوں کو بھی نقصان پہنچے گا، نیز اس کا اثر ملک کی صنعت و حرفت اور عام خوش حالی پر بھی بُرا پڑے گا، ساتھ ہی رُپیہ لگانے والوں کے مفاد کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اور نہ اِن سے

صرف چند افراد کو مستفید ہونے کا موقع دیا جائے، لہٰذا مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ترقی میں مزاحمت نہ کی جائے بلکہ ان کے نقائص کو ہمدردانہ طریقے پر دور کرنے کی کوشش کی جائے، اور یہی چیز ملک اور ملکی ترقی کے لیے مفید ہوسکتی ہے اور ان جدید بینکوں سے جنگ کے بعد ملکی صنعت و حرفت اور دوسرے کاروباروں کو خاطر خواہ امداد مل سکتی ہے۔



ضمیمہ — ہندوستانی بینکوں کے چند دلچسپ اعداد

نمبر	بینک کا نام	اداشدہ سرمایہ	ذخیرۂ محفوظ	ایک حصے کی ابتدائی قیمت	ایک حصے کی موجودہ بازاری قیمت (اپریل ۱۹۴۳ء)	منافع فی صدی ۱۹۲۷ء	منافع فی صدی ۱۹۳۲ء	منافع فی صدی ۱۹۳۷ء	منافع فی صدی ۱۹۴۲ء
۱	ریزرو بینک	۵ کرور رُوپیہ	۵ کرور رُوپیہ	۱۰۰ رُوپیہ	۱۰۶ رُوپیہ	۰	۰	۳½	۳½
۲	امپیریل بینک	۵ کرور ۶۲½ لاکھ رُوپیہ	۵ کرور ۷۰ لاکھ رُوپیہ	۵۰۰ ۱۲۵	۱۶۲۷ ۴۳۲	۱۶	۱۲	۱۲	۱۲
۳	الہ آباد بینک	۲۰½ لاکھ رُوپیہ	۵۲ لاکھ رُوپیہ	۱۰۰ ۵۰	۴۱۱ ۱۴۴	۱۸	۱۸	۱۸	۱۸
۴	بینک آف بڑودہ	۳۰ لاکھ رُوپیہ	۵۵ لاکھ رُوپیہ	۵۰	۰	۱۴	۱۰	۱۰	۰
۵	بینک آف انڈیا	ایک کرور رُوپیہ	ایک کرور ۱۰ لاکھ رُوپیہ	۵۰	۱۶۴	۱۰	۱۱	۱۱	۱۲
۶	بینک آف میسور	۲۰ لاکھ رُوپیہ	۲۷ لاکھ رُوپیہ	۱۰۰	۰	۱۲	۱۳	۱۴	۱۴
۷	سنٹرل بینک آف انڈیا	ایک کرور ۶۸ لاکھ رُوپیہ	ایک کرور رُوپیہ	۲۵	۶۱½	۹	۶	۸	۱۰
۸	چارٹرڈ بینک آف انڈیا	۳۰ لاکھ پونڈ	۳۰ لاکھ پونڈ	۵ پونڈ	۸½ پونڈ	۲۰¼	۱۴	۱۴	۱۰
۹	لائڈ بینک	۱۶ لاکھ پونڈ	ایک کرور پونڈ	ایک پونڈ	۲ پونڈ ۱۹ شلنگ	۱۶⅖	۱۲	۱۲	۰
۱۰	مرکنٹائل بینک	۷½ لاکھ پونڈ	۱۰ لاکھ پونڈ	۱۲½ پونڈ	۱۸ پونڈ	۱۶	۱۲	۱۲	۱۲
۱۱	نیشنل بینک آف انڈیا	۲۰ لاکھ پونڈ	۲۳ لاکھ پونڈ	۱۲½ پونڈ	۳۳½ پونڈ	۲۰	۲۰	۱۸	۱۲
۱۲	پنجاب نیشنل بینک	۲۹ لاکھ رُوپیہ	۱۷½ لاکھ رُوپیہ	۱۰۰	۱۲۰	۱۲	۲	۶	۰

ہماری زبان

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

ہر مہینے کی پہلی اور سولھویں تاریخ کو شایع ہوتا ہی
چندہ سالانہ ایک رُپیہ فی پرچہ ایک آنہ

اُردو

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ

جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوتا ہی
اس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہی۔ تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اُردو میں جو کتابیں شایع ہوتی ہیں، اُن پر تبصرے اس رسالے کی ایک خصوصیت ہی۔ اس کا حجم ڈیڑھ سو صفحے یا اس سے زیادہ ہوتا ہی قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات رُپے سکۂ انگریزی (آٹھ رُپے سکۂ عثمانیہ) نمونے کی قیمت ایک رُپیہ بارہ آنے (دو رُپے سکۂ عثمانیہ)

رسالۂ سائنس

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) کا ماہانہ رسالہ

(ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد سے شایع ہوتا ہی)
اس کا مقصد یہ ہی کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے۔
دنیا میں سائنس کے متعلق جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں، یا جتنی یا ایجادیں ہو رہی ہیں اُن کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جاتا ہی اور ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں ادا کرنے کی کوشش کی جاتی ہی۔ اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہلِ وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہی۔ رسالے میں متعدد بلاک بھی شایع ہوتے ہیں۔
قیمت سالانہ صرف پانچ رُپے سکۂ انگریزی (چھ رُپے سکۂ عثمانیہ)
خط و کتابت کا پتا: معتمد مجلس ادارت رسالۂ سائنس۔ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد۔ دکن

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند)، دہلی

دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس انتظامی، مجالس تعلیمات و نصاب پانچ کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۲۔ اساتذۂ جامعہ عثمانیہ و کلیہ جات متعلقہ و نیز معتمد و اراکین جامعہ اور اراکین دار الترجمہ دس کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۳۔ طلباء میں جن کا نام درج شدہ ہو دو کتابیں ایک ماہ کے لئے۔ اور ایم اے، ایم ایس سی، ایل ایل بی و تحقیقاتی جماعتوں کے طلبا تین کتابیں، و طلبۂ تحقیق پانچ کتابیں اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۴۔ مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہونے پر فی کتاب ایک آنہ یومیہ کے حساب سے جرمانہ وصول کیا جائے گا۔

۵۔ ختم مدت پر کتابیں پھر جاری کی جا سکیں گی اگر اس عرصہ میں کسی نے کتاب کا لانا لازم نہ کیا ہو۔

۶۔ کتابیں گم یا خراب ہو جانے پر ان کی قیمت یا نقصان کی ذمہ داری عائد ہوگی۔

۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان بنانا یا حاشیہ لکھا جانا منع ہے۔

۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں جاری نہ کی جا سکیں گی۔ فقط